

شاد و نیاز

مہاراجہ سرکش پرشاد شاد

اور

علامہ نیاز فتح پوری کی خط و کتابت

ڈاکٹر حبیب ضیاء

حقوق محفوظ

سہ اشاعت :

دسمبر ۱۹۹۳ء

کتابت :

محمد غالب تعداد : ۶۰۰

طباعت :

ڈاکٹر ہیرس، چھتہ بازار

قیمت :

۳۰ روپے

ناشر :

ڈاکٹر حبیب ضیاء

304/B - اکبر ٹاورس ملک پیٹ

حیدرآباد 500024

ملنے کے پتے :

۱۔ شگوفہ - ۱۳ - مجرگاہ معظم جاہی مارکٹ حیدرآباد

۲۔ حمامی بک ڈپو - چار کمان حیدرآباد

۳۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی

۴۔ ایمان اردو ناشر ناظم آباد گراچی

یہ کتاب فخر الدین علی احمد ممبر ریل کمیٹی کے
مالی تعاون سے شائع ہوئی

مصنف: ڈاکٹر حبیب ضیاء

پروفیسر و صدر شعبہ اردو

یونیورسٹی کالج فار ویمن، کوئٹہ، حیدرآباد

مصنف کی کتابیں:

۱۔ دکنی زبان کی قواعد ۱۹۶۳ء

۲۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد ۱۹۷۸ء

۳۔ گوتم شکل (طنز و مزاح) ۱۹۸۱ء

۴۔ انیس بیس (۱۹۸۸ء)

زیر طبع:

۱۔ دکنی کی جدید قواعد

۲۔ جائزے سے تنقیدی و تحقیقی مضامین

۳۔ بڑے گھر کی بیٹی (خودنوشت سوانح)

۴۔ تین تیرہ (طنزیہ مزاحیہ مضامین)

انتساب

افتخار کے نام

میرے لیے باعث افتخار ہے کہ اس

نیک سیرت لڑکے کی ساس بھین

فہرست

صفحہ نمبر

۱۱	ڈاکٹر مصطفیٰ کمال	پیش لفظ
۱۲	ڈاکٹر حبیب ضیاء	دیباچہ
۱۳	اردو خطوط نگاری
۲۱	شاد و نیاز - تصانیف بہ یک نظر
۲۵	مشاہیر اردو سے مہاراجہ کی خط و کتابت
	خطوط شاد و نیاز

دیباچہ

آج سے تقریباً ستائیس سالہ قبل، زمانہ طالب علمی میں، میں نے یہ خطوط ترتیب دیئے تھے۔ ”دکنی زبان کی قواعد“ ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔ اسی نے بعد میں راجہ کشن پرشاد شاد، حیات اور ادبی کارنامے ”لکھ کر ڈاکٹر میٹ کی ڈگری لی۔ طنز یہ مزاحیہ مضامین کے مجموعے ”گویم مشکل“ اور انیس بیس“ شائع ہو چکے ہیں۔

مہاراجہ کشن پرشاد اور علامہ نیاز فتح پوری کے خطوط میں نے محفوظ کر دیئے تھے۔ ڈاکٹر مسعود حسین خان صاحب نے اسی زمانے میں انشورہ دیا تھا کہ یہ خطوط شائع ہو جائیں تو بہتر ہے۔ ان کا شیوہ ہمیشہ سے یہی رہا کہ طالب علموں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ ان کے مشورے پر عمل کرتی تو یہ خطوط عرصہ دراز قبل چھپ کر منظر عام پر آجاتے۔

پی ایچ ڈی کے مقالہ کی تیاری کے سلسلے میں مجھے نواب مہدی نواز جنگ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ان کی رہنمائی سے مقالہ لکھنے کے کام میں بڑی مدد ملی۔ نواب صاحب ہی کی ہدایت اور مشورے پر حیدر آباد کے کئی دانشوروں نے میری ہر طرح مدد فرمائی۔ مہاراجہ شاد اور علامہ نیاز فتح پوری کے خطوط حیدری گشتی کتب خانے سے دستیاب ہوئے۔ اسی

کے لیے میں جناب احسان اللہ صاحب لائبریرین حیدر علی گشتی کا
شکریہ ادا کرتی ہوں۔

پرنسپل یونیورسٹی کالج فار ویمن، پرنسپل سر سوئی لاؤ صاحبہ
کی اردو دوستی کا ذکر ضروری ہے۔ میری ادبی کاموں کو انھوں نے ہمیشہ
سراہا اور کتابوں کی اشاعت پر دی سسرٹ کا اظہار فرمایا۔ مجھے خبر ہے
کہ ان کی سرپرستی، شہقت اور حوصلہ افزائی ہمیشہ سے حاصل رہی۔
شریک زندگی سید رحیم الدین توفیق، تصنیف و تالیف کے سفر
میں برابر کے شریک ہیں۔ ان کی حوصلہ افزائی و بہوتی تو میری ایک کتاب بھی
منظر عام پر نہ آ سکتی تھی۔

سید افتخار الدین نے کتاب کا نفیس اور خوب صورت ٹائٹل
جذہ، سعودی عرب سے بنا کر بھیجا۔ امید کہ قارئین کتاب اور ٹائٹل دونوں
کو پسند فرمائیں گے۔

ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال صاحب ایڈیٹر ماہنامہ "شکوہ" نے میری
درخواست پر اس کتاب کی اشاعت کی ساری ذمہ داری سنبھالی۔ خدا
انھیں اہل و عیال کے ساتھ ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ دین اور دنیا میں سحر خیز
دے۔ رسالہ شکوہ کے ذریعہ وہ طنزیہ مزاحیہ ادب کی جو خدمت کر رہے
ہیں اس کا انھیں بھرپور صلہ ملے۔ آئیں۔ کتاب کی اشاعت کے لیے ادبی کڑ
حیدر آباد، آندھرا پردیش ایجوکیشنل اور فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی کے مالی
تعاون کا شکریہ ادا کرتا میرا لازمی فریضہ ہے۔

حبیب ضیا

صدر شعبہ اردو یونیورسٹی کالج فار ویمن کوٹھی حیدر آباد دہلی

اردو میں خطوط نگاری

اردو میں خط لکھنے کی ابتدا انیسویں صدی کے درمیان ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مغلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ فارسی زبان کو بھی زوال آ رہا تھا۔ فارسی کے خاتمے کے ساتھ ہی اردو کی مقبولیت بڑھتی جا رہی تھی۔ رجب علی بیگ سرور کے خطوط جو ”انشائے سرور“ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ تاریخی اعتبار سے اہمیت کے حامل ہیں۔ لیکن ان خطوط کا انداز اور اسلوب قاسمی خطوط کا چر بہ ہے۔ اردو میں خط نگاری کا آغاز درحقیقت غالب سے ہوتا ہے۔ غالب نے اردو میں خط لکھنے کا اپنا ایک منفرد انداز ایجاد کیا تھا۔ جس کے وہی موجد اور ختم تھے۔ غالب کے بعد خطوط لکھنے اور چھپوانے کا رجحان بے انتہا مقبول و رعام ہوا۔ اس کے نتیجے میں خطوط کے بے شمار مجموعے شائع ہوئے اور آج بھی شائع ہو رہے ہیں۔ لیکن غالب کے خطوط کی بات کسی میں پیدا نہ ہو سکی۔ غالب کے بعد کئی اہل قلم حضرات کے خطوط منظر عام پر آئے۔ ان میں سرسید، محسن الملک، وقار الملک، شبلی، حالی، آزاد، اکبر، امیر مینائی، دارغ دہلوی، مہدی افادی، نیاز فتح پوری، ایوان احلام آزاد، مولوی عبدالحق

اولہ عبدالمجاہد ریبادی قابلِ ذکر ہیں۔ مندرجہ بالا تمام ادیبوں کے خطوط میں ان کے اسلوب نگارش کی جھلکیاں آگئی ہیں۔ اگر ہم ان مجموعوں کا تجزیہ کریں تو دو طرح کے خط نگار ملتے ہیں۔ ایک گروہ ان ادیبوں کا ہے جو سرسید کی طرح سادہ لکھے والے ہیں۔ دوسرے وہ جن کے خطوط میں شبلی کی طرح ادبیت اور زبان کی چاشنی ہے۔ محسن الملک، وقار الملک، حالی اور عبدالحق کا انداز نگارش سرسید سے ملتا جلتا ہے اور بقیہ ادیب شبلی سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ تمام ادیب بڑی حد تک خطوط میں اسلوب پر نسبتاً زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ نیاز فتح پوری کے خطوط اس کی اچھی مثال ہیں وہ یہ سمجھ کر خط لکھتے ہیں کہ ان کے خطوط شائع ہونے والے ہیں۔ یہ احساس ان کے لیے نقصان دہ ثابت ہوا۔ اس احساس سے ان کے خطوط میں ادبی چاشنی تو بے قدر ہو رہی لیکن ان کی شخصیت نکھر کر سامنے آئی اور نہ ہی ان میں وہ بے تکلفی کی فضا پیدا ہو سکی جو نجی خطوط میں پائی جاتی ہے۔

خطوط نگاری میں شاد کی انفرادیت

حاجہ راجہ مہد جمیل کی خط نگاری کے رجحانات سے متاثر تھے۔ ان کی شخصیت بہت جامع تھی۔ وہ بے یک وقت ادیب بھی تھے اور شاعر بھی۔ مصمم اخلاقی بھی تھے اور سیاست داں بھی۔ ان کا معلقہ احباب بہت وسیع تھا۔ جلیل القدر عہدے پر فائز ہونے کے باوجود ان سے ملنے والوں میں ہر طبقے کے لوگ شامل تھے، ان کے بے شمار دوست احباب تھے اور تقریباً سبھی سے ان کی خط و کتابت تھیں۔ گونا گوں مصروفیات کی

بنا پرائیوں نے اپنے خانگی دفتر میں ایک الگ شعبہ بنایا تھا۔ ان کے پرانے سکریٹری مسودق حسین غبار تھے۔ غبار صاحب نے بہت ہی منظم طریقہ سے الگ الگ فائل بنارکھے تھے۔ وہ ان خطوط کے ساتھ مہاراجہ کے خطوں کے مسودے بھی منسلک کر دیتے تھے۔

مہاراجہ شاد کے غیر منظومہ خطوں کی مختلف فائیس دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی خط نگاری کے دو طریقے تھے۔ بعض وقت وہ غبار صاحب کو ہدایت دیتے کہ خط کا مسودہ لکھ کر پیش کریں، مسودہ تیار ہونے کے بعد وہ اس میں مناسب ترمیم و اضافہ کرتے۔ ضرورت محسوس کرتے تو ایک آدھ جملہ حذف کر داتے۔ ان کے خطوط کی فائلوں میں ایسے بہت سے خط ہیں جو غبار صاحب کے لکھے ہوئے ہیں اور مہاراجہ شاد نے اصلاح کی ہے۔

پرائیوٹ سکریٹری سے خطوں کے مسودے لکھوانے کی ایک وجہ جو بالکل واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ شاد کو سرکاری مصروفیات کی بنا پر اتنی فرصت نہیں ملتی تھی کہ دوست احباب کے خطوں کے جواب دے سکیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بہت سے خطوط جو کاروباری قسم کے ہوتے ان کا جواب بندھاٹکا ہوتا۔ اس لیے ایسے خطوں کے جواب غبار صاحب ہی لکھ دیا کرتے، غبار صاحب ادبی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ قابل ذکریات یہ کہ چل کہ مہاراجہ شاد سے انھیں قریب تھا اس لیے وہ ان کے ادبی ذوق سے اچھی طرح واقف بھی تھے۔ غبار صاحب کے لکھے ہوئے خطوط کے مسودے جو مختلف ادیبوں اور شاعروں کے نام ہیں ان کے مطالعے

سے پتہ چلتا ہے کہ غبارِ صاحب نے مہاراجہ کے مزاج اور مکتوب الیہ سے روابط کا خاص خیال رکھا ہے۔ اکثر خطوط میں موقع و محل کی مناسبت سے اردو اور فارسی کے مصرعے یا شعر کے بر محل استعمال کے ساتھ چٹکے، لطیفے اور تلمیحات بھی ملتی ہیں۔ خطوط کے مسودے دیکھنے کے بعد شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ خطوط مہاراجہ بہادر نے نہیں بلکہ غبارِ صاحب نے لکھے ہیں۔ فرست کے اوقات میں خود مہاراجہ خطوط کے جواب لکھتے۔ چھوٹے بڑے کی تخصیص نہیں کرتے۔ ان کا اسلوب سادہ و سلیس ہے۔ اس سادگی میں جذبات و کیفیات کی تعمیز سے ان کے خطوط میں نجی خطوط کی تمام خصوصیات شامل ہو گئی ہیں۔

خطوط کے مجموعے

مہاراجہ کشن پرشاد نے جو خطوط شاعروں، ادیبوں اور دانشوروں کو لکھے ہیں ان کے متنوع موضوعات ہیں۔ ادبی نکات بھی ہیں اور مذہبی مباحث بھی وہ ایک مخصوص شائستہ تہذیب کے پروردہ تھے۔ خطوط کے درج ذیل پانچ مجموعے چھپ کر منظر عام پر آچکے ہیں۔

۱۔ اربعات شاد ۱۹۰۰ء م ۱۳۱۸ھ

۲۔ جمالِ یار ۱۹۲۲ء م ۱۳۴۱ھ

۳۔ شاد اقبال ۱۹۳۲ء

۴۔ اکبر الہ آبادی اور مہاراجہ کشن پرشاد کی خط و کتابت ۱۳۷۰ھ

۵۔ مکتبِ یحییٰ السلطنت ۱۳۷۱ھ

مناسب ہے کہ اس موقع پر ان مجموعوں کی مختصر اصراحت کردی جائے
تھات شاد میں مہاراجہ کش پرشاد کے ۳۹ خطوط ہیں۔ اس مجموعے کے
خطوط مختلف شاعروں، ادیبوں اور عالموں کے نام ہیں۔ جمال یا مہاراجہ
شاد اور جمال الدین نوری کی خط و کتابت کا مجموعہ ہے۔

تیسرا مجموعہ شاد اقبال، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ اس میں
مہاراجہ شاد اور اقبال کے خطوط ہیں۔ اس
مجموعے میں شاد کے ۵۲ خطوط علامہ اقبال کے نام اور علامہ اقبال کے ۴۹
خطوط مہاراجہ شاد کے نام ہیں۔

اکبر الہ آبادی اور مہاراجہ کش پرشاد کی خط و کتابت کا مجموعہ ۳۷ صفحات
پر مشتمل ہے۔ اس مختصر مجموعے میں شاد کے ۹ خطوط، اکبر الہ آبادی کے نام اور
اکبر الہ آبادی کے ۲۵ خطوط شاد کے نام ہیں۔

مکاتیب عین السلطنت مہاراجہ شاد اور سید معصوم علی دارشی کی خط و
کتابت کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں ان دونوں کے خطوط کے علاوہ مہاراجہ
بہادر کے سفرنامہ ”سیر پنجاب“ اور سفرنامہ ”جام جہاں نما“ کے اقتباس بھی دیے
گئے ہیں۔

شاد و نیاز

مہاراجہ کش پرشاد اور علامہ نیاز فتح پوری کے خطوط کے مجموعے کو میں
نے ”شاد و نیاز“ کا نام دیا ہے۔ اس مجموعے میں نیاز فتح پوری کے خطوط نسبتاً
زیادہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کے علاوہ مہاراجہ شاد کے پرائیوٹ سکرٹری
سید صادق حسین غبار کے بھی چند خطوط شامل ہیں جو نیاز فتح پوری کو لکھے گئے

با۔ اسی طرح نیاز فتح پوری کے بھی چند خطوط ہیں جو غبارِ صاحب کے نام
 با۔ جن میں بعض خطوط کا حوالہ ہے یا پھر کسی مخصوص کام کے لیے اظہارِ
 نگر کیا گیا ہے۔ مہاراجہ شاد کا ایک خط خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہ خط
 بابِ افتتاحِ المذکک کے نام ہے جس میں نیاز فتح پوری کے لیے سفارش کی گئی ہے
 خط اس بات کا ضامن ہے کہ مہاراجہ شاد کو نیاز فتح پوری سے بے حد ملوث
 نا اور وہ ان کی مدد کے لیے کبھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے۔

نیاز فتح پوری کی انفرادیت

اردو ادب میں نیاز فتح پوری کی ہمہ گیری اور ان کی انفرادیت سے
 کار نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے کئی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ ہر ایک
 وقت وہ افسانہ نگار بھی ہیں اور ایک اچھے مترجم بھی، صحافت نگار بھی
 ہیں اور بلند پایہ نقاد بھی۔ اس کے علاوہ اگر ان کے مذہبی مضامین کو یک جا
 لیا جائے تو ایک طویل فہرست مرتب ہو سکتی ہے۔

نیاز فتح پوری کی سب سے بڑی ادبی خدمت رسالہ ”نگار“ کا اجلاسہ۔
 اس رسالے کے ذریعے انھوں نے نہ صرف اردو ادب کی خدمت کی ہے بلکہ اس
 کے ذخیرے میں بیش بہا اضافہ بھی کیا ہے۔

نیاز فتح پوری کی خطوط نگاری کا ذکر کرتے ہوئے علامہ شاد کا کوئی اپنی کتاب
 تنقید و شخصیات میں لکھتے ہیں :

”فرانسیسی ادب میں BEILE کسی حسین و جمیل عورت کہتے ہیں

اور BELLE LETTERS ان کے اہل صنف ادب میں اہی

حریروں کہتے ہیں جو جالیات و ادبیات بلکہ انتقادیات جیسے اہم موضوعات سے متعلق ہوتے ہوئے بھی ہلکے پھلکے، سادہ، شگفتہ نازک اور شاعرانہ اندازِ بیانی کے حامل ہوں، فرانسیسی ادب کی اس صنف کے پیش نظر اگر اردو ادب کے سرمائے کو یکجا کیا جائے تو مکتوباتِ نیاز کو سرِ فہرست رکھنا ہوگا۔“

اس اقتباس سے نیاز فتح پوری کے اردو خطوط کی عظمت و بلندی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

غالب کی طرح نیاز فتح پوری نے بھی آداب و القاب کے فرسودہ طریقے کو ختم کیا ہے۔ اکثر خطوط کی ابتدا غالب کے خطوط سے بہت مشابہ ہے۔ کہیں القاب استعمال کیے ہیں تو ایسے لوگوں کے لیے جن کے بلند مرتبے اور عظمت کے وہ قائل ہیں۔ مہاراجہ شاد کے نام جو خطوط ہیں ان میں ”مطاعی الاعز“ لکھا ہے۔ اس کے علاوہ سرکارِ والا، مطاعی و محترمی، مطاعی الاعز ادا ملک اللہ بالاعز، اقبال جیسے القاب بھی ملتے ہیں۔

خطوط کے اختتام پر اپنی نام کے ساتھ نیاز فتح پوری نے عموماً جواہرِ القاب استعمال کیے ہیں وہ یہ ہیں :-

خاکسار، خادم، عقیدت مند، نیازمندِ دیرینہ، حضرت کے الطافِ خسرِ فائدہ کا منت پذیر۔

نیاز فتح پوری کو مہاراجہ شاد نے خطوط میں اکثر مہربان شاد، نیاز شاد، نیاز جیسے القاب سے مخاطب کیا ہے اور خود اپنے لیے لفظ ”فقیر“ یہ مہاراجہ شاد کی منکسر المزاجی کا کھلا ثبوت ہے۔

شاد اور نیاز، تصانیف بیک نظر

مہاراجہ راجہ کشن پرشاد، شاد

تاریخ پیدائش: ۱۸۶۳ء

تاریخ وفات: ۱۹۳۹ء

اہم تصانیف:

- | | |
|------------------|-----------------|
| ۱۔ رین بسرا | ۱۱۔ نسیم سحر |
| ۲۔ مجموعہ مناجات | ۱۲۔ عرض حال |
| ۳۔ نظم دو بیسہ | ۱۳۔ پیسہ دین |
| ۴۔ نعرہ مستانہ | ۱۴۔ جلوہ گرشن |
| ۵۔ درس محبت | ۱۵۔ خار شاد |
| ۶۔ جذبہ قومی | ۱۶۔ بزم توحید |
| ۷۔ باغ شاد | ۱۷۔ شمع توحید |
| ۸۔ نعرہ شاد | ۱۸۔ مثنوی موجود |
| ۹۔ بیاض شاد | ۱۹۔ آئینہ وحدت |

لے تصانیف کی یہ فہرست میں نے اپنے مقالے مہاراجہ کشن پرشاد، شاد، حیات امدادی خدمات کی مدرسہ مرتب کی ہے۔ اس فہرست میں چند مقالات بھی ہیں جو علاحدہ کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ خطبات، تحریرات کے مطبوعہ مجموعہ علاحدہ ہیں۔

- ۲۰۔ آئینہ وجود
۲۱۔ شہنوی سرور
۲۲۔ ماتم حسین
۲۳۔ نوحہ شاد
۲۴۔ مرثیہ ضیاطبائی
۲۵۔ مجمع امید
۲۶۔ شگوفہ بہار
۲۷۔ نذر سلطان
۲۸۔ رباعیات شاد (دہن مجموعے)
۲۹۔ آئینہ عقیدت
۳۰۔ ارمغانِ نریا
۳۱۔ گلشنِ تاریخ
۳۲۔ بزمِ رشاد
۳۳۔ دس بہر
۳۴۔ ہندو بھائیوں سے خطاب
۳۵۔ معراجِ ترقی
۳۶۔ کرشن گلا
۳۷۔ فریادِ شاد
۳۸۔ آبادی
۳۹۔ سورہ پرکاش
- ۴۰۔ رن بیر
۴۱۔ گیان درپن
۴۲۔ دین حسین
۴۳۔ نور چشم
۴۴۔ موتیوں کی لڑی
۴۵۔ ارشِ الرقی
۴۶۔ ارمغانِ وزارت
۴۷۔ لفظِ نقیب سے نظیر
۴۸۔ ضلع جگت
۴۹۔ مخزنِ اتقوانی
۵۰۔ مطلعِ نورشید
۵۱۔ چنچل ناز
۵۲۔ بزمِ حال
۵۳۔ سرمایہٴ سعادت
۵۴۔ جذباتِ شاد
۵۵۔ جامِ جہاںِ نا
۵۶۔ سیرِ تانگور
۵۷۔ سیر و سفر
۵۸۔ روزِ ناجیِ گبر
۵۹۔ سفرِ شادنگر

- ۶۰۔ تفریح شاد
۶۱۔ روضہ شریف
۶۲۔ سفر دوسفہ
۶۳۔ شکار شیر شاہی
۶۴۔ سیر پنجاب
۶۵۔ شکار شیر
۶۶۔ قدم سلطان
۶۷۔ ایک سفر نامہ
۶۸۔ رقصات شاد
۶۹۔ جمال یار
۷۰۔ شاد اقبال
۷۱۔ اکبر الہ آبادی اور مہاراجہ
کشن پر شاد کی خط و کتابت
۷۲۔ نگاہیں بحسب السلطنت

علامہ نیاز فتح پوری

تاریخ پیدائش : ۱۸۸۴ء

تاریخ وفات : ۱۹۶۶ء

اہم تصنیفات :

۱۔ انتقادات حصہ اول و دوم

۲۔ ایک شاعر کا انجام

۳۔ تاریخ الدولتین

۴۔ ترغیبات حبشی

۵۔ تاہلات نیاز

۶۔ جذبات بھاشا

شہید فہرست ڈاکٹر امیر عارفی کی کتاب "نیاز فتح پوری" سے لی گئی ہے۔

۷۔ جالستان

۸۔ چند گھنٹے حکمائے قدیم کی روحوں کے ساتھ

۹۔ حسن کی عیاریاں اور دوسرے افسانے

۱۰۔ شہاب کی سرگزشت

۱۱۔ صحابیات

۱۲۔ عرضِ نغمہ

۱۳۔ فراست الیہ

۱۴۔ گہوارہ تمدن

۱۵۔ مالہ و ما علیہ

۱۶۔ مجموعہ استفسارات و جوابات حصہ اول، دوم، سوم

۱۷۔ محمد بن قاسم سے حلہ بابر تک

۱۸۔ مختاراتِ نیاز

۱۹۔ مذہب

۲۰۔ مذاکراتِ نیاز

۲۱۔ مسئلہ مشرقیہ

۲۲۔ مشکلاتِ غالب

۲۳۔ مطالعاتِ نیاز

۲۴۔ مکتوباتِ نیاز حصہ اول، دوم، سوم

۲۵۔ من و یرزاں حصہ اول، دوم

مشاہیر اردو کے خطوط مہاراجہ شنبہ برشاؤ کے نام

مہاراجہ سرکش برشاؤ اپنے مورث اعلیٰ مہاراجہ چند لال شاداں کی طرح علم و ادب کی سرپرستی کرتے تھے۔ ہندوستان کے نامور ادیبوں اور شاعروں سے مہاراجہ کے گہرے مراسم تھے۔ شاعروں اور ادیبوں سے مہاراجہ کے تعلقات کی وسعت کا اندازہ اس بات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ ان کے یہاں شاعروں اور ادیبوں سے خط و کتابت کا ایک

اور مستقل دفتر تھا۔ اس دفتر میں تمام خطوط باقاعدہ جمع رکھے جاتے تھے اور پھر اس کے جوابی مسودوں کو بھی بڑے اہتمام سے محفوظ کیا جاتا تھا۔ جن اہل قلم حضرات سے مہاراجہ کے تعلقات تھے ان میں خاص اور قابل ذکر امیر میٹائی، سرشار، دارغ، حافی، شبلی، اکبر الہ آبادی، شمس، عابد مرزا، بیگم نظم طباطبائی، ریاض شیر آبادی، اقبال، قافی، جلیل، فرحت اللہ بیگ، سر شیخ عبدالقادر، ظفر علی خاں، مولوی عیدالحق، کیفی، سید سلیمان ندوی اور خواجہ حسن نظامی ہیں۔ ان سبھوں کی مہاراجہ سے خط و کتابت تھی۔ مہاراجہ فرزند چندا پر شاداؤ نے ان کے چند خطوط کو ”رقعات شاداؤ کے نام سے“ شائع کیا

ہیں بھروسے میں داغ، عالی، مر شادا امیر مینائی وغیرہ کے نام مہاراجہ کے خطوط میں
 مہاراجہ اور ڈاکٹر اقبال کی باہمی مراسلت کو ڈاکٹر نور نے شادا اقبال کے نام
 سے شائع کیا ہے۔ بعض اہل قلم حضرات ایسے ہیں جن کے خطوط ابھی شائع
 نہیں ہوئے جیسے شری، عابد مرزا بیگم، نظم طباطبائی، نیا فتح پوری، عبدالماجد
 دریابادی، تاجور نجیب آبادی، جوش، ریاض خیر آبادی وغیرہ۔

کہا جاتا ہے کہ حیدر آباد میں باہر سے آنے والے شعرا جیسے فانی وغیرہ
 کی خاطر خواہ قدر نہیں کی گئی لیکن جہاں تک مہاراجہ کشن پرشاد کے دربار کا
 تعلق ہے انھوں نے ہر شاعر ادیب اور عالم کی قدر دانی و عزت افزائی اور مالی
 امداد میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ مہاراجہ کا یہ دستور تھا کہ نہیں مانگنے والوں
 کی بھی مدد کرتے تھے اور مانگنے والوں کی بھی اور ان کی مدد و فوج حیدر، طریقے سے
 ہوتی تھی۔ دربار مہاراجہ کی سماعت اور دربار دلی کے حیرت انگیز عالم تھے ان کی علم و ہوش اور علم پوری
 کا شہرہ بن کر کئی شعراء ان کے دربار سے منسلک ہو گئے تھے۔ اور اکثر ایسے تھے
 جن کی علمی اور ادبی صلاحیتوں سے مستاتر ہو کر مہاراجہ نے انھیں اپنے
 ہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ بعض ایسے بھی تھے جنھیں مہاراجہ کی جیب خاص سے
 ماہانہ ایک مقررہ رقم بطور وظیفہ ملا کرتی تھی۔

امیر مینائی کی حضور نظام کے یہاں باریابی کے بعد مہاراجہ بہادر
 سے بھی ریم درازہ بڑھی۔ "رقعات شاد" میں شامل ان خطوط سے معلوم
 ہوتا ہے کہ انھیں امیر مینائی سے ملنے کا کس قدر اشتیاق تھا۔
 "آپ کے حیدر آباد آنے کے قبل ہی میری آنکھیں کو انتظار رہ

لاہوں کو اشتیاق تھا کہ آپ کو دیکھوں اور آپ کا گلہ مسمون۔
انشاء اللہ تعالیٰ اب وہ وقت قریب آتا جاتا ہے۔ اللہ
تعالیٰ آپ کو شفا عظیم عطا فرمائے۔“

مہاراجہ شاد پندت رتن ناتھ سرشار نے دالہانہ محبت و عقیدت
رکھتے تھے۔ ان کی ادبی صلاحیتوں کے معترف تھے۔ اپنے بعض نادلوں پر
سرشار سے اصلاح بھی لی اور ان کے نادلوں کا وسیع مطالعہ بھی کیا تھا۔
سرشار کے نام مہاراجہ نے جو خط لکھے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ سر
شار سے ان کی کافی تعلیق تھی جو طویل جی حضرت سرشار سرشاریہ القاب سے ظاہر ہے۔
ایک خط میں سرشار کی نثر نگاری اور ادبیت کا اعتراف کرتے
ہوئے اپنی نثر نگاری کا ذکر کیا ہے جس سے تعلیٰ کا انداز واضح ہے۔
”مگر ہاں! کہیے تو اب یہ برسوں شب کو میں نے جو رقعہ بھیجا تھا
اس کی عبارت کیسی تھی۔ آپ کو دعویٰ تھا کہ لکھنؤ کے مقابل
میں اور خصوصاً سرشار کے مقابلے میں کوئی نثر نگار نہیں لکھ
سکے گا مگر اب بھی کچھ مانو گے کہ نہیں کہ ہم حیدر آبادی بھی لکھ
لیتے ہیں۔“

اعلیٰ حضرت کے دیدار میں باریاب ہونے کے بعد مہاراجہ کے تعلقات ان سے اور بھی بڑھ گئے۔ دارغ نے دم آخر تک مہاراجہ کی عنایتوں سے سرفرازی پائی۔ مہاراجہ نے دارغ کی شاگردی قبول کی تھی۔ اس کے بعد ان دونوں میں باقاعدہ خط و کتابت ہوتی تھی۔ مہاراجہ نے دارغ کے نام خوب خطوط لکھے ہیں ان میں علمی مباحث کثرت سے ملتے ہیں۔ دارغ کے خط کے جواب میں مہاراجہ نے جو خط لکھا ہے اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا ہے۔

شاد کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

آپ نے ”جھلانا“، ”بتلانا“، ”دکھلانا“ ان قافیوں کو جو کلام دارغ میں مترک ہیں اعتراض فرمایا تھا۔ میں تسلیم کرتا ہوں، چوں کہ ذوق اور غالب کے کلام میں یہ جابز ہیں اور آپ حضرت ذوق خاقانی ہند کے شاگرد ہیں۔ اس خیال سے میں نے یہ قافیہ باندھا۔ آئندہ سے ضرور خیال رکھوں گا۔

مہاراجہ دارغ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ انھوں نے تمام خطوط میں دارغ کے لیے جو القاب لکھے ہیں وہ یہ ہیں:

”جناب من نواب فصیح الملک بہادر حضرت دارغ دہلوی

سلمہ تعالیٰ“

مہاراجہ نے حاتی کے نام جو پہلا خط لکھا تھا۔ اس سے جہاں ان کے خلوص اور بے تکلفی کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ اہل علم حضرات کے کتنے قدر داں تھے۔

حالی کو وہ اس طرح مخاطب کرتے ہیں :

خال بخارِ فضل و کمال خواجہ الطاف حسین صاحب حالی!

یہ ظاہر ہے کہ آپ سے مجھ کو تعارف نہیں۔ میں اور آپ
روشناس نہیں۔ اس بے تعارفی میں بے تکلفی یعنی چہ مگر میں
اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ کان دھر کر سنیے۔ میں نے
آپ کی تصنیفات سے دو کتابیں دیکھیں ایک حیاتِ سعدی (بارک
اللہ) اور دوسری یادگارِ غالب (سبحان اللہ) مجھ میں نہ اس
قدر استعداد ہے نہ قابلیت کہ آپ کی تعریف کروں۔ مگر یہ
ضرور کہوں گا کہ یہ دونوں کتابیں انمول ہیں اور آپ کا دم
نعمت میں سے ہے۔ خدا چشمِ زخمِ حوادث سے بجائے۔ میں
نہ عالم نہ فاضل، نہ ادیب اور نہ شاعروں میں میرا شمار ہے۔
ایک بندہ خدا ہوں۔“

حالی سے مہاراجہ کے مراسم کا اندازہ خطوط کے علاوہ ان کی
تصنیف سیرِ پنجاب کی اس عبارت سے بھی ہوتا ہے:

”آج صبح کو مولوی الطاف حسین صاحب حالی آئے تھے۔

ان کا دم غنیمت ہے۔ گوپیری نے اپنا عمل دخل کر لیا

ہے مگر دل جوان اور عقل آزمودہ کا رہے۔ ان کی ہر بات

دل سے نکلتی ہے اور دل میں ایسی اترتی ہے جیسے انگوٹھی

میں نگینہ، خدا زندہ رکھے لطفِ صحبت سے میں نہایت

برائے نہیں ہے۔ اگر ارادہ ہو تو مطلع کیجیے کہ میں اپنے مصاحبین
یا عہدیداروں میں سے کسی کو بھیج دوں تاکہ آپ کو آرام
حیدر یاد دلائے۔“

ان دونوں کے اکثر خطوط علمی و ادبی مباحث سے بھرے پڑے
ہیں۔ اکبر الہ آبادی کے چند خطوط میں ان کی رباعیات بھی ہیں۔ جو
انھوں نے مہاراجہ کے مطالعہ کے لیے خط کے ساتھ منسلک کی ہیں۔
عبدالحلیم شرر سے بھی مہاراجہ کے دوستانہ تعلقات تھے۔
شرر کی نثر نگاری اور نظم نگاری کے مہاراجہ قدرواں تھے۔ دیگر
اہل قلم حضرات کی طرح شرر کو بھی مہاراجہ سے امیدیں وابستہ تھیں۔
ایک خط میں لکھتے ہیں:

”دلگداز کو میں نے دی پی نہیں روانہ کیا اور دراصل وہی
عام قیمت جو سارے ملک سے لی جاتی ہے اس کو جتا۔
سے بھی لینا میں شان کے خلاف تصور کرتا ہوں۔ میں
بہا ہتا ہوں کہ دلگداز کو کچھ سالانہ تنخواہ مقرر ہو جائے اور
امید ہے کہ سرکار اس درخواست کو قبول فرمائیں گے۔“

عابد مرزا بیگم ریختی کے مشہور شاعر تھے۔ مہاراجہ ان کی شاعری
کے قدرداں تھے۔ بیگم ایک خوددار شاعر تھے لیکن تنگ دستی و مفلسی
سے پریشان ہو کر انھوں نے ایک معروضہ مہاراجہ کے منتظم سید صادق
حسین غبار کو لکھا تھا۔ عابد مرزا بیگم اپنے مخصوص انداز میں لکھتے ہیں:

محفوظ اور مستفید ہوا۔“

اکبر الہ آبادی کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری مہاراجہ کو بے حد
پہنائی انھوں نے اپنے چند خطوط میں جو اکبر الہ آبادی کو لکھے گئے
نظر اور اسلوب اختیار کیا ہے۔

اکبر الہ آبادی اور مہاراجہ کشن پرشاد کی خط و کتابت میں ا
کے جو خطوط ہیں ان سے ان کے خوش گزار مراسم کا بخوبی اندازہ
یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کسی طرح دونوں حضرات اپنے خطوط میں زندگی کے مختلف پہلو
گستہ اور ایک دوسرے سے مشورہ لیتے اور عمل کرتے۔ اکبر الہ آبادی کا ایک خط جو
نام ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عنایتوں اور مہربانیوں
الہ آبادی کو کتنا شدید احساس تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

”یہ نیاز نامہ اس غرض سے لکھا کہ زیادہ غیر حاضری احسان
فراموشی نہ بھی جائے۔ درحقیقت آپ کا کرم و احسان ہے
کہ آپ مجھ شکستہ دل اور بے ہنر کی قدردانی فرماتے ہیں۔“
مہاراجہ، اکبر الہ آبادی سے ملنے بے چین رہتے تھے۔ اس کا
اندازہ ان کے اس خط سے ہوتا ہے جس میں انھوں نے
اکبر الہ آبادی کو حیدر آباد آنے کی دعوت دی ہے۔ خط کا اظہار

ملاحظہ ہو:

”میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں اور آج مکرر لکھتا ہوں کہ آپ
شہر در حیدر آباد آنے کا ارادہ فرمائیے۔ آج کل موسم بھی

”بیگم کی سکونت حیدرآباد کی عمر ۱۹ برس کی ہے مگر اذکار و پریشانی سے اسی عمر میں بڑھیا ہو گئی۔ اب اس پر محتایہ کا بھی خاتمہ ہے۔ بیگم نے آج تک کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ اگرچہ امراء و مدد سا بہت نظر آئے۔ جس کی تھی اس کے نام پر ۱۹ برس سے بیٹھی ہے۔ سرکار سرمد راجہ بہادر، بیگم کے پرانے قدر دان ہیں اور آج تک اس کا جو سہاگ باقی رہا صرف سرکار دی کی قدمدانی سے باقی رہا۔ اب بیگم کو دلچ کنوہ طال العمرہ کا صدقہ تان نفقہ ملنا چاہیے۔ فاقہ کشی کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔“

جہاں راجہ نے عابد مرزا بیگم کی پریشان حالی اور تنگ دستی کا تذکرہ کر لکھنے کے بعد مائتہ تیس روپے پرمان کا تقرر کر لیا۔ بیگم نے اپنے ایک شجر میں جہاں راجہ کی سرپرستی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :

انھیں کے دم سے ہے قائم سہاگ بیگم کا

الہی شاد سلامت رہے یوں ہی برسوں

دوسرے اور شعرا کی طرح نظم طباطبائی سے بھی جہاں راجہ کے خاص تعلقات تھے۔ ایک بڑی اور اہم وجہ یہ بھی تھی کہ جہاں راجہ اپنے مضامین اور اشعار پر نظم طباطبائی سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ حتیٰ شاکر و ادا کرنے کے لیے وہ نظم کا بے حد احترام کرتے تھے۔ انھوں نے عجاہ صاحب کو ایک نوٹ یوں لکھا تھا :

ایک غزل فارسی بھیجتا ہوں۔ یہ لفافہ حیدر نواز جنگ
بہادر طباطبائی یعنی طباطبائی صاحب جن کو حال میں
خطاب ملا ہے، بھجوا کر لکھیے کہ بعد اصلاح لفافہ بند کر کے
میرے نام واپس کریں۔ کل بھی دو غزلیں بھیجی تھیں۔ ان
کا رسے کے لیے بھی لکھیے۔

نظم طباطبائی کی موت مہاراجہ کے نزدیک سانحہ عظیم تھی۔ ان کے انتقال کے
ساتھ ظہار غم اور حق دوستی ادا کرنے کے لیے ایک نوحہ لکھا تھا۔
نوحہ کا ایک بند پیش ہے:

موت ایسے باکمال کی ہے علم و فن کی موت
ہے انجن نواز کی موت، انجن کی موت
بلبل نہیں تو گل کی ہے رحلت چمن کی موت
ہاں جب سخن طراز نہ ہو ہے سخن کی موت
مرنے سے نظم کے ہوا دل شوق ہزار حیف و بزم ادب کی اٹھ گئی رونق ہزار حیف
آخری اشعار سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ مہاراجہ
شاد نظم طباطبائی سے اپنے کلام پر اصلاح لیا کرتے تھے۔
شاگردان کے علم و ادب میں کثیر تھے
شعرو سخن میں نظم مرے بھی مشیر تھے
اصلاح نظم و نثر میں وہ بے نظیر تھے
سچ یہ ہے کہ وہ مویذ رب قدیر تھے

مہاراجہ کشن پرشاد کی ادب نوازی، علم دوستی اور سخن پروری کا
چمچیا سن کر دوسرے اور مشاہیر ہند کی طرح سیاض خیر آبادی بھی
حیدر آباد آئے تھے اور ایک عرصے تک ان کے ہاں مہمان بھی رہے۔
نغمیات کے بہترین شاعر ہونے کے ساتھ ریاض بلند پایہ انشا پرداز
بھی تھے۔

ریاض خیر آبادی کا بہت ہی دل چسپ خطبہ جس میں انھوں
نے اپنی کثیر العیالی اور پیرانہ سالی کا ذکر کرتے ہوئے مہاراجہ سے مالی
اعانت چاہی ہے۔

اے دامنِ توقیدِ شمشادِ غبارِ من
راتِ آخرِ وقتِ نازک ہے ریاض لو لگی ہے شمع کی اللہ سے
حضورِ والا

بہ اعتبارِ عمر میرے خداداد سیدہ ہونے میں شک نہیں۔ میں جوان
تھا جب بھی لوگ کہتے تھے:

دیکھ کر ہنستے ہو کیا تم صورتِ پاکِ ریاض
یہ بڑے پہنچے ہوئے اللہ ولے لوگ ہیں

بہ فرض اس میں ریاض کی ریا کو بھی دخل ہو مگر بڑھاپے کے اس
نازک وقت میں ہر شخص چاہتا ہے کہ ایسی مسئلہ برگزیدہ ہستی سے جس نے
ساتھ نسبتِ قرب حاصل ہو اور دور کی نسبت ہر وقت حاصل ہو
وہ نسبتِ قرب کے حصول کی تجدید کیوں نہ کرے۔

س موقع پر بہ کمال ادب بلا گردان ہو کر کیوں نہ اس امر کے استفسار
 دوں۔ سچ کے پیرائے میں کسی نے اپنے نمک پر وردہ کو یہ اختصار
 ہی:

شاد صاحب کی دعا ہے ہر دم
 رہے سرسبز ریاض احمد

۱۔ شرف اجابت نہ پایا ہوتا تو مجھے اتنی درازی عمر ہرگز حاصل
 نہ۔ ریاض احمد قیامت تک سرسبز رہے گا مگر نسبتاً اس دعا سے
 مجھے اب تک حاصل ہوتی رہی کیا کم ہے ہر طرح پھولا پھلا۔ یہاں
 ۲۔ عمر میں خدا نے سات بچے دیئے۔ جن میں پچھلے دونوں بھائی
 اللہ دینے والی مقدس ہستی کو مجھ پر اور میرے ان بچوں کے سر پر
 کی اولاد عزیز ہیں اور پرورش و پرداخت کے لیے مخصوص ذریعہ
 تر رکھے۔ آمین۔ آمین۔ ہزار بار آمین۔ ایسے نفل شائع وظل اللہ
 آخر نسبت قرب کی تجدید کے لیے کیوں نہ حاضر ہوں۔ اس تمنا
 پوری سے یہ سن کر ادھی ہیجان پیدا ہو گیا کہ سرکارِ دولت ملا
 درمیرا ذکر فرماتے ہیں:

ہم ان کے ہیں بہاراں چھنا کیا

میں طلبِ اجازت مقصود نہیں۔ نہ مجھ سے وابستہ دامن کو اس
 رت اور ہو کبھی تو میں اس کا اہل نہیں۔ خدا تصور کا بھلا کرے
 ریاب ہو کر کہہ سکتا ہوں:

اے دامنِ تقدیرِ مشیتِ غبارِ من

میں یقیناً انشاء اللہ تعالیٰ نیازِ فتحِ پوری کے ساتھ ہی اگست کی کسی تاریخ میں شرفِ حضوری حاصل کروں گا۔

دولت و اقبال بستم

ریاض

نمک پروردہ حضورِ مدارِ المہم

ریاض شیرآبادی کے اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مہاراجہ بہادر سے مالی امداد کے خواہاں تھے۔

نصیر حسین خاں خیال سے مہاراجہ بہادر کے گہرے مراسم تھے۔ ان کا جو خط دستیاب ہوا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں اصحاب کے مابین کافی عرصے سے خط و کتابت کا سلسلہ ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خیال، مہاراجہ سے ملاقات کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ خیال کا خط ملاحظہ فرمائیے۔

ماہی دینے میں سلطنت بہادر
عرض بندگی چاہا کرانہ

ایک عرصہ دراز سے خیر و عافیت مزاج مبارک و عالی معلوم نہیں۔ امیدوار ہوں کہ ازراہ شفقتِ بزرگانہ دو کلمہ خیریت ارشاد فرما کر سرِ فراز و ممتاز کیا جاؤں۔ زیارتِ قدمِ یحییٰ کے اشتیاق کو کیا کروں۔

اس اثنا میں اکثر شرف ملاقات دنیا زکا قصد ہوا کہ ایک مرتبہ پھر
حیدر آباد حاضر ہو کر مشرف ہوں۔ مگر شومی قسمت سے قاصر رہا
اور اب تک قاصر ہوں۔ دیکھیے ایسا مبارک موقع پھر کب
نصیب ہوتا ہے اور جناب عالی کب یا دفرما کر فقیر کے دیرینہ
اشتیاق کو پورا فرماتے ہیں۔

اس خط کے جواب میں مہاراجہ نے جو خط لکھ بھیجا وہ کافی اہمیت
رکھتا ہے۔ اس کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی خیال سے ملتے اور ان کے
خیال سے اسکا ہونا چاہتے ہیں۔ نیز مہاراجہ نے اپنی خانگی پریشانی
کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان کے لڑکے خواجہ پرشاد کی آنکھ مجروح ہو گئی تھی
اس کا ذکر کرتے ہوئے خط کے آخر میں حصے میں لکھتے ہیں :

” یقیناً ایسے کہ اس تاریخ جس کو کہ سال کا عرصہ ہوتا ہے فقیر
کی آنکھوں میں دنیا اندھیری ہے۔ پانچ چھ ماہ کے عرصے سے
کچھ روشنی جو نہیں نظر آتی تھی کہتا ہے کہ اب نظر آنے لگی ہے۔
دعا فرمائیے کہ خدائے تعالیٰ فضل فرمائے۔ باقی اور کیا لکھوں۔
ہر طرف سے مایوسی بھیا تک صورت اپنی دکھلا کر ڈراتی ہے۔
لیکن کرم درحمت لا تقنطروا من رحمة اللہ کہہ کر ڈھائی
دیتی ہے۔ اسی بھروسے پر زندگی کے دن امید میں گزر رہے ہیں۔
یقین ہے کہ آپ معرفتمی کے خیریت سے ہوں گے۔“

علامہ اقبال سے مہاراجہ کی ملاقات ۱۹۱۰ء میں ہوئی۔ ان دونوں خط و کتابت کا سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا۔ اکثر خطوط میں علمی و ادبی مباحث ملتے ہیں۔ مہاراجہ، انھیں ”مائی ڈیر اقبال“ یا ”میرے پیارے اقبال“ لکھا کرتے اور اقبال انھیں ”سرکارِ والا تیار“ سے مخاطب کرتے۔ علامہ اقبال ایک بلند پایہ شاعر ہی نہیں، قوم کے مخلص رہنما بھی۔ شہر حیدرآباد سے انھیں جو لگاؤ اور والہانہ محبت تھی اس کا اظہار ان کی کئی تحریروں سے ہوتا ہے۔ محمد حسام الدین خاں غوری کا خیال ہے کہ علامہ اقبال کی شاعری حیدرآباد دکن کی مرہونِ منت ہے۔ وہ حیدرآباد کو اقبال کی شاعری کا محرک قرار دیتے ہوئے اپنی کتاب ”مفکر پاکستان اور اسلام میں لکھتے ہیں:

”اے کو یہ معلوم کر کے یقیناً حیرت ہوگی کہ نہ صرف علامہ اقبال کے کلام اور ان کی فکر و نظر اور تعلیمات کی عالم گیر اشاعت میں حیدرآباد دکن نے بے مثال سعی و بلیغ کی بلکہ خود علامہ اقبال کو شاعری کی طرف دنیائے علم و ادب اور انسانیت کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔“

علامہ اقبال نے دو مرتبہ حیدرآباد کا سفر کیا تھا۔ ۱۹۱۰ء اور اس کے بعد ۱۹۲۹ء۔ ۱۹۱۰ء میں مہاراجہ کشن پرشاد صدارتِ عظمیٰ پر فائز ہوئے تھے۔ اقبال اور شاد کے جو دوستانہ تعلقات اس وقت قائم ہوئے وہ زندگی بھر برقرار رہے۔ مہاراجہ شاد کی علم دوستی، علم نوازی اور جود و سخا سے متاثر

ہو کر ڈاکٹر اقبال نے انٹالیں اشعار کی ایک طویل نظم "شکریہ" کے عنوان سے لکھی تھی۔ اس نظم کو جناب تصدق حسین تاج نے رسالہ "مخزن" کے حوالے سے ہی کتابچہ کی صورت میں ۱۹۳۵ء میں شائع کیا۔ علامہ اقبال نے نظم سے پہلے نظم کی تخلیق کی وجہ بتائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"گزشتہ مارچ میں مجھے حیدرآباد دکن جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں آستانہ وزارت پر حاضر ہونے اور عالی جناب ہزار کھٹنی مہاراجہ سرکش پرشاد بہادر جی، سی، آئی، ای میں السلطنت پیشکار، وزیر اعظم دولت آصفیہ المستخلص بہ شاد کی خدمت باہرکت میں باریاب ہونے کا فخر بھی حاصل ہوا۔ ہزار کھٹنی کی نوازش کریمانہ اور وسعت اخلاق نے جو نقوش میرے دل پر چھوڑے وہ میرے دل سے کبھی نہیں مٹیں گے۔ مزید یہ کہ جناب ممدوح نے میری روانگی حیدرآباد سے پہلے ایک نہایت تلطیف آمیز خط لکھا اور اپنے کلام شیریں سے بھی شیریں کام فرمایا۔ ذیل کے اشعار اس عنایت بے غایت کے شکریہ سے زبان پر بے اختیار آگئے۔ انہیں زبانِ قلم کی مساطت سے جناب مہاراجہ بہادر کی خدمت میں پہنچانے کی جرات کرتا ہوں۔"

نظم کا مقطع ہے:

شکریہ احسان کا اسے اقبال لازم تھا مجھے
 مدح پیرائی امیروں کی نہیں میرا شعار
 پیر و فیسر عبدالقادر سروری اپنے مضمون "اقبال کے خطوط
 سوانحی اہمیت" میں علامہ اقبال کی مختلف لوگوں سے خط و کتابت

"اقبال کے ان علمی اور ادبی طرز کے خطوط کا انداز عالمانہ اور
 مباحث تک محدود رہے لیکن مہاراجہ سرکشن پرشاد کے نام جو خط
 ہیں اس کا ہنچ ہی دوسرا ہے۔ ان خطوط میں علمی اور ادبی خطوط کی
 مہری اہم کم آمیزی کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ یہ خطوط اقبال کی نصر
 جو خلوص اور محبت کے جذبات سے بھرے ہوئے تھے اس کے نتیجے
 فانی سے مہاراجہ کی پہلی ملاقات — ۱۹۲۶ء میں ہوئی ان
 کے روابط مستحکم ہوتے گئے۔ مہاراجہ نے ازراہ ادب نوازی فانی
 مابانہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ اور ایک طویل مدت تک ان کی ضروریات
 کی کفالت کرتے رہے۔ ملازمت کے سلسلے میں بھی مہاراجہ نے ان کی کما
 مدد کی۔

مہاراجہ کے انتقال کے بعد فانی مالی مشکلات سے دوچار رہے
 مہاراجہ سے وابستگی کا اظہار اس شعر سے ہوتا ہے :
 دل سے تیری یاد ہرگز محو ہو سکتی نہیں
 اب بھی فانی کو وہی ہے کل جو نسبت تجھ سے تھی

فصاحت جنگ جلیل جس وقت حیدر آباد گئے، مہاراجہ بہادر شیخار سلطنت تھے۔ ایمرینائی کے انتقال کے بعد مہاراجہ نے جیل کو اپنے مصاحبین میں شامل کر لیا اور اپنے کلام پر اصلاح بھی لینے لگے۔ عرصہ دیر تک مہاراجہ نے ان کی سرپرستی کی۔ پروفیسر حمید الدین شاہد نے اپنی کتاب "حیدر آباد کے شاعریں" لکھا ہے کہ داغ کا انتقال ہوا تو میر محبوب علی خاں نے جلیل کو اپنا استاد مقرر کیا تھا۔

مہاراجہ شاد، فرحت اللہ بیگ کی نظم و نثر سے بے حد متاثر تھے۔ رسالہ اردو میں فرحت اللہ بیگ کا ایک مضمون "دہلی کا ایک مشاعرہ" چھپا تھا۔ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد مہاراجہ نے انھیں ایک اشرفی بطور تحفہ بھیجی تھی۔ ہفتہ میں ایک بار وہ فرحت اللہ بیگ سے ملنے کے خواہاں تھے۔ ان سے فرمائش کر کے غزل سننے اور فرحت اللہ بیگ کی کوئی کتاب سارے ہوتی تو اولین فرصت میں اسے پڑھ ڈالتے۔ مضامین فرحت میں فرحت اللہ بیگ کا جو انداز بیان ہے اس سے مہاراجہ بہت بلکہ مرعوب ہوئے اس سلسلے میں ان کے تاثرات ایک خط میں اس طرح ہیں:

"مرزا صاحب! آپ نے رلایا بھی اور مہنسا یا بھی۔ طبیعت

بہت خوش ہوئی۔ خدا آپ کو شاد با مراد رکھے۔ ایک رسطہ

دراچ بھیجتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس کو قبول کر کے

مجھے شاد کریں گے اور دل کو فرحت بخشیں گے۔"

اس خط کے جواب میں مرزا فرحت اللہ بیگ نے تحفہ کا شکریہ

اداکر کیا اور لکھا کہ ان کی سہمت افزائی اور جوش قدروانی کے بھی ممنون ہیں
جسٹس میں وہ لکھتے ہیں :

"جب خدمتِ والا میں حاضر ہوتا ہوں تو خدا بہتر
کہ میرے دل کا کیا حال ہوتا ہے۔ سوچتا ہوں کہ
جب ہر امیر کے ہاں پہلے یہی صحبت ہوگی تو اس
وانوں کی کیسی اچھی گزرتی ہوگی۔"

خواجہ حسن نظامی سے مہاراجہ شاد کی عقیدت کا اندازہ
سے ہوتا ہے کہ انھوں نے خواجہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت
کو انھوں نے خماری شاہ کا خطاب بھی دیا تھا۔

رسالہ منادی میں مہاراجہ کے خطوط خواجہ صاحب
ہوئے ہیں ان کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان خطوط میں
مذہبی امور پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ اس بات سے بھی واقف
کہ مذہب کے بارے میں مسلسل بحث و مباحثہ
تھے۔ وہ خود اپنے مذہب کے بارے میں لکھتے ہیں :

شاد کا مذہب شاد ہی جانے
آزادی آزاد ہی جانے

اکثر لوگ ان کی بلاوجہ مخالفت کرتے تھے۔ کوئی کفر کا فتوہ
کوئی نام بدلنے کی تجویز رکھتا۔ اسی سلسلے میں ایک خط خواجہ
کے نام لکھا تھا جو خالص دل چسپ ہے :

۱۔ ایک خبر مجھ تک پہنچی ہے، عام نہیں خاص ہے۔ شاید کہ عام ہو جائے۔ وہ یہ کہ مسرت محل مرحومہ کی دختروں کی شادی جو شاہزادوں سے ہونے کا کچھ چرچا تھا وہ اس شرط کے ساتھ ہونا سنا جاتا ہے کہ شادا سلام اختیار کرے اور صیب عیدروس کے ہاتھ پر بیعت کرے۔ اللہ اللہ! دھیر دنی، پھارنی کو مسلمان کر کے شادی کرنا جائز۔ یارس کو شادی کرنا درست۔ انگریزی کو شادی کرنا تو گویا رولج۔ ان میں سے کسی کے باپ کو بھی نہ بیعت کرنے کو کہا جاتا ہے نہ مسلم ہونے کے لیے ترغیب دی جاتی ہے مگر کم بخت شادی گویا ایسی رذیل قوم کا ہے کہ اس کے وہ دختر بھی جن کے ماں مسلم تھے عیب مار کھجے جاتے ہیں۔ یہ سب باتیں دل خراش گویا شادا کو رسوا کرنے کی ہیں۔ اس زمانے میں احساس نہیں۔ دلی جذبات کو یا مال کرنا گویا ثواب ہے۔ دوسری قوموں کو ذلیل کہنا فرض سمجھا گیا ہے۔“

اس طرح مختلف خطوط میں ہمارا راجہ نے اپنے ولی تائثرات کو خواجہ صاحب سے واضح بیان کیا ہے اور مختلف موقعوں پر ان سے رائے مشورہ بھی مانگا ہے۔

نظر علی خاں سے مہاراجہ کی خط و کتابت کا سلسلہ ۱۹۱۸ء سے

شروع ہوا اور عرصہ دراز تک ان دونوں میں خوش گوار تعلقات قائم رہے۔
ظفر علی خاں کے رسالے "ستارہ صبح" میں مہاراجہ کی غزلیں شائع ہوئی
تھیں۔ مہاراجہ کے جو خطوط شاہ اقبال میں اقبال کے نام ہیں ان میں
اکثر جگہوں پر ظفر علی خاں کا ذکر آیا ہے اور انھیں مہاراجہ نے اپنے
قدیم دوستوں میں شمار کیا ہے۔

مولوی عبدالحق کو مہاراجہ ہمیشہ مولوی عبدالحق یا مولوی صاحب
سے یاد کرتے تھے۔ مولوی عبدالحق اورنگ کالج کے پرنسپل تھے،
مہاراجہ کی آمد پر انھیں سپاس نامہ پیش کیا تھا۔ اس کے جواب میں
مہاراجہ نے جو خط لکھا اس کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"اورنگ آباد میں مولوی صاحب آپ نے جو کوشش اس
کالج کو کامیاب بنانے سے متعلق کی ہے وہ نہایت لائق
قدردار قابل تحسین ہے۔ آپ نے اورنگ آباد میں علمی فضا کو قائم
کرنے اور اس کو ترقی دینے میں حدود کالج سے باہر بھی جو
کوشش کی ہے اس سے اہل ملک خوب واقف ہیں اور وہ
اس کی قدر کرتے ہیں۔ علم کی ترقی میں آپ کا وجود نظرِ ہر وطن
میں ہندوستان کی متعدد علمی خدمات کا ذمہ دار ہے۔

اس عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ مہاراجہ عبدالحق کی علمی ادبی
خدمات کی کس طرح قدر کرتے تھے۔

ہوش بلگرامی سے مہاراجہ کے اچھے مراسم تھے۔ ہوش ۱۹۱۱ء میں

حیدر آباد آئے۔ یہیں سے وہ ایک رسالہ "ذخیرہ" نکالا کرتے۔ اس رسالہ میں دیگر دانشورانِ ادب کے ساتھ مہاراجہ کے مضامین بھی شائع ہوئے تھے ہوش لکھتے ہیں:

میں نے بھی ربعِ صدی تک مہاراجہ بہادر کے عادات و خصائل کا قریب سے مطالعہ کیا ہے۔ ان کی فطرت سے درس لیا ہے۔ ان کے ادبی ذوق سے لطف اٹھایا ہے۔ ان کے فی البدیہہ اشعار کی داد دی ہے اور ان کی تہذیب سے سبق لیا ہے۔ ان کے مشرقی آداب میں زمانہ ماضی کو دیکھا ہے:

نرسنگ راج عالی مہاراجہ شاد کے خاص مقربوں میں سے ایک ہیں۔ شاد کی تمام محفلوں اور تقریروں میں ان کی شرکت لازمی تھی۔ مہاراجہ سے تقرب کا ذکر انھوں نے فخریہ طور پر یوں کیا ہے:

"عالی جناب سر مہاراجہ انجہانی کو نہ معلوم مجھ سے کیوں اتنی محبت تھی کہ وہ مجھے ایسا عزیز خیال فرماتے اور ہمیشہ مشفق و محب کے قہ سے اختیارِ بخشش تھے۔ مجھے گھنٹوں ہم کلامی اور ہم نشینی کی عزت حاصل رہی ہے۔ میں انتہائے فخر کے ساتھ یہ عرض کر سکتا ہوں کہ میرا جتنا وقت مرحوم کی پر لطف اور امیرانہ صحبت میں صرف ہوا ہے وہ شاید ہی کسی

دوسرے کو میسر ہوا ہو۔ مجھ سے نہ کوئی رشتہ
 داری تھی نہ کوئی قرابت۔ البتہ محبت کا وہ رشتہ
 غیر متزلزل اور مستحکم ہو گیا تھا جو ٹوٹ نہیں سکتا تھا۔
 اور جس کو دنیا کی قوی سے قوی طاقت بھی مٹا نہیں
 سکتی تھی۔“

نواب عماد الملک سے مہاراجہ کے چالیس سال سے زیادہ
 تک روابط طے ہیں۔ ان دونوں کی اکثر ملاقاتیں بھی ہوتیں اور خط و
 کتابت کا سلسلہ بھی قائم تھا۔ عماد الملک اردو کے بلند پایہ ادیب
 تھے ساتھ ہی انگریزی اور عربی زبان پر بھی عبور کامل رکھتے تھے۔
 ان دونوں کے غیر مطبوعہ خطوط دیکھتے سے پتہ چلتا ہے۔ ان میں
 بے حد خلوص تھا اور یہ دونوں ایک دوسرے کی علمی و ادبی صلاحیتوں
 کو مانتے تھے۔ عماد الملک کے نام مہاراجہ کے ایک خط کے اقتباس
 سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عماد الملک سے ملنے کے کس قدر مشتاق تھے۔

”فقیر کا بھی بہت جی چاہتا ہے کہ گاہے ماہے جناب
 کے فیضِ صحبت سے مستفیض ہوں مگر بارِ خاطر ہونے
 کا خیال ہر وقت سدِ راہ ہوتا ہے۔ اگر میری حاضری
 محلِ اوقات نہیں سمجھی جاتی تو مہینہ میں کم از کم ایک زیادہ
 سے زیادہ دو مرتبہ اگر صرف آپ کی مزاج پر سی کیا کر لیا۔
 یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔“

عماد الملک کا ایک خط مہاراجہ شاد کے نام ہے۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاد سے ملنے کس قدر بے چین ہیں:

”جناب والا کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ جناب کی یاد دلی میں جاگزیں نہ ہوتی ہو۔ سخت حسرت و افسوس ہوتا ہے کہ ایک مدت سے جناب کی ملاقات سے مشرف نہیں ہوا۔ پاؤں کے درد نے اس قدر مجبور کر رکھا ہے کہ خود حاضر نہیں ہو سکتا۔ جناب والا خوب جانتے ہیں کہ جس قدر وسیع و عسقی تعلق میرے دل کو جناب والا کے ساتھ ہے وہ کسی اور کے ساتھ نہیں ہے۔“

تاجور نجیب آبادی سے مہاراجہ کی ملاقات ۱۹۲۳ء میں ہوئی تھی۔ مہاراجہ کے خطوط کی فائل میں تاجور کا لکھا پہلا خط موجود ہے جو ۱۹۲۳ء میں لکھا گیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

”بمختلف احباب کی زبانی جناب کی صفات، حدیث متواتر کی حیثیت میں مجھ تک پہنچے ہیں۔ اس لیے شوق زیارت سے اپنے دل کو معمور پایا ہوا یا ربانی کی اجازت پاؤں تو شہر شوق سے اڑ کر حاضر ہوں۔ امیر الامرا نواب نجیب الدولہ کی بقیۃ السیف اولاد میں سے ہوں۔ یعنی شکستہ حالی میں بھی خودداری کا خلل دماغ میں باقی ہے اس لیے امیر مرحوم کی زیارت میں:

خدا کے گھر بھی جائیں گے بے بلائے ہوئے

تاجور نے ایک اور خط میں مہاراجہ شاد سے درخواست کی ہے کہ جہاں وہ دوسرے رسالوں میں اپنے مضامین اور غزلیات وغیرہ بھیجتے ہیں وہیں محزن کے لیے بھی اپنی ادبی تخلیقات روانہ کریں۔ اس تعلق سے مہاراجہ نے اپنے سکریٹری کو ہدایت کی کہ ”محزن“ ان کے نام جاری کر دائیں اور تاجور صاحب کو مطلع کریں کہ رسالہ دیکھنے کے بعد مضامین بھیجے جائیں گے۔

آغا شاعر قزلباش مہاراجہ کی ادبی نشستوں میں اکثر مدعو کیے جاتے تھے۔ مہاراجہ انھیں مابانہ کچھ رقم بطور امداد دیا کرتے تھے۔ آغا شاعر قزلباش کا ایک طویل خط مہاراجہ شاد کے نام دستاب ہوا ہے جس میں انھوں نے اپنی کتاب ”شراب الصالحین“ کی اشاعت کے لیے رقمی امداد طلب کی ہے۔ خط کا اقتباس یہ ہے:

”شراب الصالحین یعنی منظوم ترجمہ رباعیات حکیم عمر خیام نیشاپوری کو رباعی کا جواب رباعی میں اس قوت سے تین برس کا مل خوں جگر ٹپکا کر پورا کیا ہے۔ اگر یہ چیز میری زندگی میں چھپ گئی تو حضور ملاحظہ فرمائیں گے کہ اردو لٹریچر میں کیا روح پھونک دی گئی ہے۔۔۔۔۔ اس نا قدر زمانے میں کوئی علمی امداد کرنے والا بھی نہیں۔۔۔۔۔ سرکار والا انصاف کریں۔ اگر یہ چیز خدا خواستہ نہ چھپی اور میں مر گیا

تو پھر تین برس کا مل جو راتیں کالی کی ہیں وہ اکارت ہی گئیں نا؟
 اس لیے خیر نہیں کوئی قرضہ نہیں۔ اگر سرکار اسی علمی امداد کو
 حیات جاودانی خیال فرما سکیں تو سب سے پہلی فرصت
 میں جو کچھ امداد ہو سکے بذریعہ کار کر است فرمادیں۔

عاجز کمترین چراغ سحر

افسر الشعرا

افا شاعر قزلباش دہلوی

مہاراجہ شاد نے اس طویل عریضے کا جواب یہ لکھوا دیا کہ اسٹیٹ زیمبار
 ہے اس لیے وہ رقمی امداد دینے سے قاصر ہیں۔ کتاب کی اشاعت کے بعد
 چھ نسخے خریدنے کا انھوں نے وعدہ کر لیا۔

عبدالجبار خاں آصفی اردو اور فارسی کے بلند مرتبہ شاعر تھے مہار
 راجا اپنے فارسی کلام پر ان سے اصلاح لیتے تھے۔ حیدری گشتی کتب خانے
 سے مجھے خطوط کی جو فائلیں دستیاب ہوئی تھیں ان میں عید الجبار خاں
 آصفی کے بھی کئی خطوط ہیں۔ ایک خط میں لکھتے ہیں :

”شعری دیکھ چکا ہوں۔ انشاء اللہ کل تک نظر ثانی کی تکمیل ہو
 کر چار بجے تک ملاحظہ فرماؤں گی پیش کردی جائے گی۔ شعر
 گوئی آسان ہے مگر اس پر نظر ڈالنی مقتضی تاخیر ہے کہ الفاظ
 کی تلاش اور اس کی نشست بجائے دیگر الفاظ دقت طلب ہر
 ہوتا ہے۔ سرکار پر یہ امر روشن ہے۔“

اس طرح اور کئی خطوط ہیں جن کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ عبدالجبار
شاہ آصفی نے شاد کے کلام پر اصلاح دیتے ہوئے ان کی شری صلاحیتوں
کو سراہا ہے۔

عبدالماجد دریا بادی جامع عثمانیہ میں دارالترجمہ کے رکن کی حیثیت سے
کام کرتے تھے۔ اس لیے ایسے علم دوست ادیب سے مہاراجہ کے مراسلہ لادنی
تھے۔ حیدر آباد سے جانے کے بعد بھی عبدالماجد دریا بادی اور مہاراجہ کی خط
و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ عبدالماجد دریا بادی کو مہاراجہ شاد نواز سے مخاطب
کرتے اور وہ مہاراجہ کے لیے "ماجد نواز حضرت شاد" جیسے القاب لکھا کرتے۔
مہاراجہ کی محفل شعر گوئی میں ماہر القادسی سیب سے کم عمر شاعر تھے ۱۹۲۸ء
میں حیدر آباد آنے کے بعد مہاراجہ کے یہاں جب باریاب ہوئے تو انھیں اتنی قدر
و منزلت ملی کہ حیدر آباد ہی کے ہو کر رہ گئے۔ مہاراجہ کے انتقال کے بعد
حیدر آباد سے واپس ہوئے۔ انھوں نے مہاراجہ کی وفات کے بعد ایک نظم
لکھی تھی۔ اس نظم سے ان کے دلی جذبات اور تاثیرات غم کا اندازہ ہوتا ہے
نظم کا آخری شعر یہ ہے :

محفل ہستی سے تو کیا اٹھ گیا
دعنداری کا جنازہ اٹھ گیا

عرش بیج آبادی سے بھی مہاراجہ کے اچھے روابط تھے۔ ان دونوں میں
خط و کتابت کا سلسلہ بھی تھا۔ جوش کے جو خطوط دستیاب ہوئے ان
سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ان کے خاندانی حالات سے بھی واقف تھے۔ مشاعروں
میں جوش کی شرکت زندہ دلی اور شوکتی کا سماں پیدا کر دیتی۔

نیا زفتح پوری سے مہاراجہ کے تعلقات کا اندازہ ان دونوں کے خطوط سے ہوتا ہے جو وقتاً فوقتاً لکھے گئے ہیں۔ ان دونوں کے کئی خطوط دستیاب ہوئے ہیں جن میں مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال کیا گیا ہے۔ نیا زفتح پوری کی مہاراجہ سے پہلی ملاقات ۱۹۱۸ء میں ہوئی اس کے بعد سے ملاقات اور خط و کتابت

کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ نیا ز صاحب کے بعض خطوط ایسے ہیں جن میں انھوں نے مہاراجہ سے ملنے کا بار بار اشتیاق ظاہر کیا ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جب کہ حیدرآباد میں طاعون کی وبا شدت سے بڑھ گئی تھی۔ مہاراجہ خود اور لوگوں کی طرح نقل مقام کر چکے تھے۔ ایسی صورت میں نیا ز صاحب کے آنے کی خواہش مہاراجہ کے لیے یقیناً پریشان کن تھی۔ وہ متردد ہو جاتے کہ کس طرح ان کی میزبانی کا اہتمام ہو سکے گا۔ نیا ز فتح پوری اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں :

نور محل۔ بھوپال

مطامی الاعز

غالباً جناب ہوش بگرامی کی تحریر سے حضرت کو معلوم ہو جائے گا کہ میری آمد کے قدم بڑی جیسے عرصے سے دل میں لیے ہوئے ہوں اب تکمیل کے لیے بے تاب ہے اور اخیر قردری میں حاضری کا ارادہ استوار ہو چکا ہے لیکن قبل اس کے کہ روانہ ہوں ضروری ہے کہ حضور کو بھی اس کی اطلاع دے دوں اور اجازت باریبابی حاصل کر لوں گے اس وقت تک حاضری میں تعویذ صرف۔ اس وجہ سے ہوئی کہ جناب ہوش بگرامی کی معیت کا خیال تھا۔ لیکن چونکہ ان کا ابادہ بلبر ملٹوی ہوتا جا رہا ہے اس لیے مایوس ہو کر اب تنہا شرف ملاقات حاصل کرنے پر مجبور ہوں۔ خدا کرے کہ جلد گائی پجالیوں

کا طرف سے جلد فرمانِ باریابی حاصل ہوا اور میں اس سعادت سے جلد بہرہ یاب ہو سکوں۔“

خاکسار۔ نیاز فتح پوری

اس خط پر مہاراجہ نے اپنے منتظم سید صادق حسین غبار کو جو نوٹ لکھا ہے وہ بڑا دل چسپ ہے۔ مہاراجہ لکھتے ہیں:

”غبار صاحب! کیا جواب دیا جائے۔ نہ ان صاحبائیں گے تو ضرور مہمان کرنا ہوگا۔ کوئی مکان اس قابل نہیں ہے۔“

نیاز فتح پوری کے بعض خطوط ایسے بھی ملتے ہیں جن میں انھوں نے

مہاراجہ سے درخواست کی ہے کہ وہ ان کی ملازمت وغیرہ کے سلسلے میں متعلقہ اصحاب کو سفارشی خطوط لکھیں۔ مہاراجہ نے ہر بار اس کی تکمیل کی ہے اور جس حد تک ممکن ہوا ان کی مدد کرنے کی کوشش کی ہے۔ نیاز فتح پوری مہاراجہ سے بے حد متاثر تھے، ان سے خلوص رکھتے تھے اور ادیب کرتے

تھے۔ نیاز صاحب کی مخاطبت کی نمایاں خصوصیت القاب کی عربیت ہے۔ وہ مہاراجہ کو عموماً ”سرکار والا“ ”مطاعی الامر“ ”مفتی و مطاعی“

”مطاعی و محترمی“ جیسے القاب سے مخاطب کرتے تھے اور حد درجہ انکسار

کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ ”خادم“ ”خاکسار“ یا

”عقیدت مند“ لکھا کرتے تھے۔ انھوں نے ایک خط میں مہاراجہ کی تعریف

ان الفاظ میں کی ہے:

”میں یہاں پہنچ گیا، لیکن اس حال میں کہ میرا ریشہ ریشہ سرکار

کے خسروانہ الطاف و کرم سے گراں بار ہے۔ اور میں حیران کہ اپنے جذباتِ نیایش کا اظہار کن الفاظ میں کروں۔ حقیقت یہ ہے کہ سرکارِ والا کی ذات اس وقت نہ صرف حیدر آباد بلکہ سرزمینِ ہند میں ایک ایسی عجیب و غریب ذات ہے کہ اگر آج تمام لوگ اس بلند اخلاق کو سامنے رکھیں تو دنیا بھر کھوٹے ہوئے ہیں و سکون کو واپس لاسکتی ہے۔ کسی شخص میں کوئی خوبی ہوتی ہے کسی میں کوئی۔ لیکن اتنی صفاتِ حسنہ کا اجتماع حقیقت یہ ہے کہ فطرت کا انجاز ہے۔“

خاکسار۔ نیاز فتح پوری

مہاراجہ کی رحم دلی اور سخاوت سے بعض وقت لوگ بے جا فائدہ اٹھا لیتے تھے یعنی ان کے پاس اتنے سفارشی خطوط آتے کہ اگر وہ ہر ایک کی ضرورت پوری کرتے تو شاید قارن کا خزانہ بھی کافی نہ ہوتا۔ ہر شخص خود اپنے لیے یا اپنے کسی عزیز یا جان پہچان والے کے لیے سفارشی خط لکھتا تھا اور مہاراجہ حتی الامکان یہ کوشش کرتے کہ ہر کسی کی درخواست پر غور کر کے اس کی ضرورت پوری کر دیں۔ یہ صورتِ مجبوری وہ انکار بھی کر دیتے۔ نیاز فتح پوری کے چند خطوط ایسے ہیں جن میں انھوں نے سید حسن اسماعیل نامی ایک صاحب کے لیے بطور خاص سفارش کی ہے اور اصرار کیا ہے کہ مہاراجہ کسی طرح انھیں اپنی اسٹیٹ سے منسلک کر لیں۔

نیاز صاحب کا خط درج ذیل ہے:

”نامہ گرامی کا شکریہ چوں کہ حاضری آستانہ کا عزم قویٰ

ہوتا جا رہا ہے اس لیے ”گہوارہ تمدن“ خود ہی پیش کر دیں گا۔

اگر خدا نخواستہ کامیاب نہ ہوا تو پھر ذریعہ ڈاک بدرجہہ مجبوری
روانہ کروں گا جن صاحب کے لیے میں نے لکھا تھا ان کا

احم گرامی شیخ حسن الخلیل ہے اور نواب صدیق حسن خاں
صاحب مرحوم کے قریبی عزیز و سہیل ہیں۔ پہلے ریاست

بھوپال سے ان کا معقول منصب مقرر تھا۔ لیکن جب یہاں
کی سیاسی آب و ہوا میں انقلاب پیدا ہوا تو منصب بند

ہو گیا اور یہ سلسلہ ملازمت عرصہ تک پیشکار وزارت مال
اور تحصیل ناہ درجہ اول کام کرتے رہے اور اپنی خدمات کو

نہایت قابلیت کے ساتھ انجام دیا۔ چوں کہ فطرتاً نہایت
غیور واقع ہوئے ہیں اس لیے بعض ناگوار واقعات کی بنا پر

ترک ملازمت کر کے خانہ نشین ہو گئے۔ مال اور فوجداری

کے کام کا نہایت اچھا تجربہ ہے اور سب سے بڑی خصوصیت

جس کی آپ کو ضرورت ہے۔ ہے کہ انتہائی شریف النفس اور

نہایت فرض شناس طبیعت رکھتے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ حضرت کی ریاست میں ان کی خدمات

مفید ثابت ہوں گی۔ اپنے حالات کے متعلق جو خط انھوں نے

مجھ کو لکھا ہے وہ بھی بغرض ملاحظہ پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ
مرحہ گرامی بخیر ہوگا۔“

خادم۔ نیاز فتح پوری

اس خط میں نیاز صاحب نے سفارش کے لیے کوئی سہرا اٹھا نہیں لکھی۔
صاحب موصوف کی ظاہری و باطنی خوبیاں گنا دی ہیں۔ ان کی فرض شناسی
اور شریف النفسی کی قصیدہ خوانی بھی کی ہے۔ اس کے باوجود مہاراجہ عجوبہ
تھے۔ حالات کچھ ایسے تھے کہ وہ انھیں اپنی اسٹیٹ میں کہیں بھی ملازمت نہیں
دے سکتے تھے۔ اس لیے مہاراجہ نے دوستی اور مرورت کو بالائے طاق رکھ کر
صاف صاف لکھ دیا کہ وہ فی الحال ان کی سفارش کو پوری نہیں کر سکتے۔
مہاراجہ کا خط ذیل میں دیا جاتا ہے۔

نیاز شاد نواز

”وصول نامہ مودت رقم زدہ ۲۰ دسمبر ۱۹۱۹ء موجب ابساط
ہوا۔ یوں تو ابتداء سے زمانہ تعارف سے شاد کو آپ کی ملاقات کا
انتظار اور شوق بڑھا ہوا ہی تھا مگر:

وعدہ وصل چوں شود نزدیک

آتش شوق تیز تر گر دد

۱۹ ستمبر ۱۹۲۰ء کا آغاز ہو گیا مگر دیکھیے یہ بیس کا نقش

کب تک اپنا اثر دکھاتا ہے۔ سید حسن اسماعیل صاحب کے
متعلق آپ کی اور ان کی تحریر سے کیفیت معلوم ہوئی ہے

قابل قدر و شہرت میں ملنے کی فہر شاد کی مختصر سی اسٹیٹ ان کی کیا خدمت
کر سکتی ہے۔ رہی ریاست دکن اس کے پیشتر بھی تحریر کر
چکا ہوں کہ دو تین سال سے بالکل ممنوع السعی کر دیا گیا ہوں۔

ورنہ آپ کی سفارش اور ان کی قابلیت شاد کو ان کے لیے
صردر مجبور کرتی۔ گزشتہ ہفتہ عشرہ میں شاد کو انفلوئنزا نے
پریشان کر دیا تھا مگر بفضلہ اب صحت ہے۔ صرف نقاہت
باقی رہ گئی ہے وہ بھی انشاء اللہ دفع ہو جائے گی۔ گہوارہ
تمدن کے مطالعہ کا انتظار بھی بے چین کر رہا ہے۔ امید ہے
کہ وہ گہوارہ خالی نہ ہوگا بلکہ طفل معاشرت بینگیں لے رہا
ہوگا۔ یقین ہے کہ آپ معہ الخیر والعافیت ہوں گے۔“

”گہوارہ تمدن“ نیاز فتح پوری کی تصنیف ہے۔ مہاراجہ نے اس کا
ذکر کرتے ہوئے ”گہوارہ تمدن“ کی مناسبت سے ”طفل معاشرت“ کی ترکیب
استعمال کی ہے۔

نیاز فتح پوری نگار کے ایڈیٹر تھے۔ اس پرچہ کی علمی و ادبی اہمیت
سے کسی کو انکار نہیں۔ مہاراجہ بھی اس کے شیدائی تھے اور اس کا مطالعہ
خاص دل چسپی سے کیا کرتے تھے۔ مہاراجہ نے اپنے ایک خط میں ازراہ ادب
نوازی، علم دوستی اور ہمت افزائی نگار کی تعریف کی تھی اور نگار کے خریدار
بن کر چندہ روانہ کیا تھا۔ اس کے جواب میں نیاز صاحب لکھتے ہیں:

مطالعہ الاع

"میں ایک مہینہ کے بعد کل یہاں واپس آیا ہوں۔ کس قدر
 ندامت ہے کہ نائنہ گرامی کا جواب تعویق سے دیا جا رہا ہے۔
 نگار کے متعلق جن خیالات کا اظہار حضرت نے فرمایا ہے انھیں
 میں اپنے لیے باعثِ فخر و ناز سمجھتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر
 حضرت حوصلہ افزائی نہ فرمائیں تو مجھ سا تہی مایہ شخص کیا کر سکتا
 ہے۔ نگار کے پچھلے پچھلے بالکل نہیں رہے تاہم کوشش کر رہا
 ہوں کہ ایک جلد مرتب کر کے پیش کروں۔ لیکن وی پی بھجنا
 میرے اختیار میں نہیں ہے اور نہ میں ایسی جرأت کر سکتا
 ہوں۔ اب بھی جو کچھ نگار کے پاس ہے وہ حضرت ہی کا
 صدقہ ہے۔" جذباتِ بھاشا کی ایک کاپی ذریعہ رجسٹری
 پیش کرتا ہوں۔ چندہ کی رقم کا بعد امانت جمع ہونا اس لیے
 ہے کہ نگار حضرت سے چندہ وصول کرنے کے لیے آمادہ
 نہیں کیا ہم لوگوں کے لیے یہ خیال کم باعثِ مسرت ہے کہ
 حضرت اس پر لطف فرماتے ہیں اور کیا حضرت کی سرپرستی
 ہمیں نگار کے مستقبل کی طرف سے بے نیاز بنا دینے والی نہیں
 ہے کہ چندہ طلب کیا جاسے۔ حضرت کی طرف سے اس رقم میں
 ایک یتیم خانہ کے نام نگار جاری کر دیا گیا ہے
 عقیدت مند نیاز فتح پوری

نیا زمندیرینہ

نیا زفتح پوری

مہاراجہ خود ایک اچھے شاعر اور بلند پایہ نثر نگار تھے۔ چنانچہ سو سے زیادہ تعداد میں انھوں نے نظم و نثر میں اپنے کارنامے بطور یادگار چھوڑے ہیں۔ وہ ادیبوں اور شاعروں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ معیاری کتابوں کا مطالعہ کرتے اور اپنے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ بھی رکھتے۔ نیا ز صاحب مہاراجہ کی اس قدردانی سے خوب واقف تھے چنانچہ انھوں نے مرزا مظہر جانجاناں کے دیوان کے ایک قلمی نسخہ کا ذکر کیا ہے جسے وہ مہاراجہ کو بطور تحفہ دینا چاہتے تھے وہ لکھتے ہیں:

اختر منزل - ہانسی (حصہ ۱)

۲۹ نومبر ۱۹۳۳ء۔

مطامعی و محترمی

بمحرابوں ہو۔

”میرے پاس ایک قلمی نسخہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں کے دیوان فارسی کا ہے اس میں ایک خصوصیت قویہ ہے کہ میر حکیم الحسینی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جو سر آندو شہزادہ خط شفیقہ تھے۔ اور اس لیے اس وقت اس سے بہتر نمونہ اس خط کا نظر نہیں آسکتا، دوسری خصوصیت جس

اس نسخہ کو بے مثل بنا دیا ہے وہ یہ ہے کہ خود حضرت مصنف
 نے اس کو ملاحظہ فرما کر اپنے دست مبارک سے تصحیح و
 تصدیق فرمادی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ تحفہ جناب کی
 خدمت میں پیش کر دوں اور اس کے عوض سوائے اس
 کے اور کچھ نہیں چاہتا کہ زندگی کے بقیہ ایام ایک برکت
 زیست کے ساتھ کسی گوشے میں بسر کروں۔ اگر جواب سے
 سرفراز کیا گیا تو میرے لیے باعثِ صداقت ہے۔“

خادم

نیاز محمد خاں نیاز

فتح پوری

نگار کے ایڈیٹر ہونے کی حیثیت سے نیاز فتح پوری یہ چاہتے تھے کہ
 وہ اس پر اپنی ساری توجہ مبذول کر کے اس کے معیار کو اعلیٰ سے اعلیٰ
 بنائیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن تھا جب کہ وہ ملازمت کی پابندیوں
 سے آزاد ہوتے۔ نیاز صاحب کا مشایہ تھا کہ ان کی تنخواہ تعلیمی وظیفہ
 کی شکل سے دی جائے اور سرکاری ملازمت کا یا رہ ان کے سر سے
 ہٹا دیا جائے۔ اس سلسلے میں وہ مہاراجہ سے سفارش کر دانا چاہتے
 تھے۔ نگار کے تعلق سے اپنی ادبی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ایک طویل
 خط انھوں نے مہاراجہ کو لکھ بھیجا اس خط کے پڑھنے کے بعد اندازہ
 ہوتا ہے کہ نیاز صاحب نے مہاراجہ کو سفارش کے لیے کتنا مجبور کیا تھا۔

ایسی صورت میں مہاراجہ کے لیے ناممکن تھا کہ وہ نیاز صاحب کی ذہنی
ابجھنوں اور پریشانیوں کو دور نہ کرتے۔ ذیل میں نیاز صاحب کا وہ
طویل خط نقل کیا جاتا ہے۔

نور محل۔ بھوپال

۲۵
۶

مطاعی الاعز۔

”میں اس زمانہ میں اس درجہ رہیں ستم ہائے روزگار ہوں
کہ اپنی حیات کو مستقل بے حیائی سمجھنے لگا ہوں ان کی
تفصیل سے اوقات گرامی کو خراب کرنا نہیں چاہتا کہ
یہ لوں بھی مجھے حضرت کے افکار کا علم ہے، لیکن پھر بھی
مجھو ہوں کہ حضرت کو ایک خاص معاملہ میں توجہ دلا کر
اعانت کا طلب گار ہوں۔

حضرت کو یاد تو نہ ہوگا، لیکن میرے دل میں ہنوز
وہ نقش تازہ ہے، جب اب سے چھ سات سال قبل
جناب نے ہز ہائیس، نواب محمد حمید اللہ خاں بہادر کے
نام (جب وہ ہز ہائیس نہ تھے) میرے متعلق ایک تحریر
ردانہ فرمائی تھی اور اس کی بنیاد تصنیف و تالیف کی خدمت
کے لیے مجھے منتخب کیا گیا تھا۔ لیکن جو اصل مقصود علاوہ
حاصل نہ ہوا تھا کیوں کہ ملازمت کی حیثیت میری بدستور

قائم رہی اور ہے۔ ضرورت تھی کہ میری موجودہ تنخواہ (سورپیس) جو یوں بھی کچھ فوائد نہیں ہے۔ وظیفہ علمی کی صورت اختیار کرئی اور میں ملازمت کی پابندیوں سے بے نیاز ہو جاتا۔

ہر چند ہزہائیس حال کا بھی نشا ہی تھا لیکن دفتری الجھنوں میں اس کی صورت بدل گئی۔ بہر حال اب چونکہ

جدید انتظامات درپیش ہیں اور موقع ہے کہ یہ مسئلہ بھی طے کر لیا جائے اس لیے میں پھر حضرت کو تکلیف دیتا ہوں۔ اگر جناب نے براہ راست ہزہائیس سکندر صولت افتخار الملک نواب حاجی محمد حمید اللہ خاں بہادر بالقابہ کو تحریر کر دی تو کامیابی یقینی ہے اور اگر یہ مناسب نہ ہو تو نواب زادہ سعید الطفر خاں بہادر (جنرل مرحوم کے صاحبزادے) کو لکھ دیجیے کہ وہ اپنے فرماں روا چچا سے ذرا ضد کر کے اس کام کو حسب مشا طے کرادیں۔ نواب زادہ صاحب موصوف مجھ پر عنایت فرماتے ہیں لیکن حضرت کے لکھنے کا جو اثر ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ سفارشی تحریر میں میری دیگر علمی خدمات کے ساتھ نگار کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ ہونا چاہیے جس سے ہزہائیس اس کی اہمیت کو سمجھ سکیں اور علوم کر سکیں کہ اس سے بہتر علمی خدمت میں اور کوئی انجام نہیں دے سکتا۔

حضرت، بات یہ ہے کہ بھوپال میں رد کر نگار کو ترقی کسی طرح ممکن نہیں ہو سکتی اور میں بے تاب ہوں کہ کسی طرح لکھنؤ یا دہلی جا کر اس کو اس کے حقیقی معیار پر لے آؤں، لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب یہاں کی ملازمت کی یا بندیوں سے آزاد ہو جاؤں، سو اس کی دو ہی صورتیں ہیں، استعفا دینا یا موجودہ مشاہرے کو علمی وظیفہ کی صورت میں منتقل کراؤں۔ اول صورت پر عمل کرنے سے نگار کا چلنا دشوار ہے اور دوسری صورت میں اسی وقت کامیابی ہو سکتی ہے جب حضرت توجہ فرمائیں۔

حضرت ان کو لکھیں کہ علمی خدمت کرنے والوں کے لیے پابندی مناسب نہیں، چنانچہ حمید آباد میں بھی جن کو علمی وظائف ملتے ہیں وہ آزاد ہیں اور آزادی کے ساتھ ہی وہ اچھا کام کر سکتے ہیں۔ بہر حال اب میں اس مسئلہ کو جتنا ہی کے سپرد کرتا ہوں، جس طرح اور جس ذریعہ سے مناسب ہو اس کو انجام تک پہنچا دیں۔ میں زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا ہوں کہ حضرت کے سمیع مبارک تک اپنے حالات پہنچا دوں۔

خاکسار

نیا فتح پوری

یہ خط اتنا طویل اور بظاہر غیر دل چسپ ہے کہ مبارک احمد سے عیم الف

انسان کے لیے اس کا پڑھنا اور اس کا جواب دینا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ لیکن مہاراجہ چوں کہ ادیبوں اور شاعروں کے قدردان تھے اور خصوصاً نگار کے بڑے قدردان تھے اسی لیے نیاز صاحب نے نگار کی ادبی اہمیت کو بتاتے ہوئے اور ملازمت کی دشواریوں کا ذکر کرتے ہوئے "استعفا" کی جو دھمکی دی ہے وہ قابل غور ہے اور بڑی حد تک دل چسپ بھی ہے۔ دوسرے معنوں میں وہ مہاراجہ کا استحصال کر رہے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ اگر نیاز صاحب استعفا دے دیں گے تو مالی پریشانیوں کی وجہ سے یہ سکون زندگی نہ گزار سکیں گے۔ اور جب سکون میسر نہ ہوگا تو نگار علم و ادب کی بلندیوں کو نہ چھو سکے گا۔ چنانچہ مہاراجہ نے اس خط کو پڑھنے کے بعد ایک سفارشی خط ہزبائی نس کو لکھ بھیجا جس میں نیاز صاحب کی علمی صلاحیتوں کا ذکر کرتے ہوئے نگار کی ادبی خوبیوں کو اجاگر کیا ہے۔ حتیٰ الامکان یہ کوشش کی ہے کہ کسی طرح ہزبائی نس اس بات پر مجبور ہو جائیں کہ نیاز صاحب کو ملازمت کی پابندیوں سے آزاد کر کے انھیں ایک تعلیمی وظیفہ مقرر کر دیں۔

اس خط کے بعد نیاز صاحب نے جو خط بھیجا وہ بھی ان کی پریشان کن داستان سے بھرا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہر ذہنی الجھن میں مہاراجہ کو بھی برابر کا شریک رکھنا چاہتے تھے۔ بار بار زحمت دینے کا شدید احساس رکھتے ہوئے بھی وہ زحمت دینے پر مجبور تھے تو یا یہ ان کی ایک عادت سی بن گئی تھی۔ نیاز صاحب کا خط درج ذیل ہے :

مطامعی الاعز ادا مک اللہ بالعز والاقبال

”میرا معاملہ ہونہ بیم ورجا کی منزل میں ہے۔ تاہم انقلاب یہاں یہ ہوا کہ سراسر احسن خاں صاحب مبر تعلیمات ہو گئے ہیں اور چون کہ شعبہ تصنیف و تالیف بھی تعلیمات میں شامل ہے اس لیے اگر یہ چاہیں تو آسانی سے میرا معاملہ سنبھال ہو سکتا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت کے مراسم سراسر احسن خاں صاحب سے بہت وسیع ہیں اسی لیے اگر میرے متعلق جناب ان کو تحریر فرمادیں تو کامیابی کی امید ہے۔“

تحریر کا مضمون وہی ہونا چاہیے جو جناب نے ہزہائس کے نام کی تحریر میں درج فرمایا تھا لیکن اس تحریر میں آپ زیادہ قوتِ اصرار سے بھی کام لے سکتے ہیں۔ ان کے نام کی تحریر میرے پاس بھیجوا دیجیے میں خود اس کے ذریعہ مل لوں گا۔ مجھے گھڑی گھڑی حضرت کو تکلیف دینے شرم آتی ہے لیکن کیا کروں۔

کرم ہائے تو مارا کر دگستاخ

خاکسار نیاز فتح پوری

نیاز فتح پوری کے ان خطوط کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مہاراجہ کا بنے عداوب و لحاظ رکھتے تھے۔ انھیں مہاراجہ سے کچھ ایسا انس تھا جس کی بنا پر بعض وقت وہ بے اختیار اپنے جذبات کا اظہار

کر دیتے تھے۔ مہاراجہ کے خطوط کی تاخیر کو وہ اپنے لیے ہلاکت کا باعث سمجھتے تھے۔ مہاراجہ سے ان کا کوئی راز پوشیدہ نہ تھا۔ اپنی معمولی سی پریشانی کا اظہار بھی وہ بذریعہ خط کر دیتے تھے۔ جب انھیں یقین ہوتا کہ ان کا کوئی کام مہاراجہ کے توسط سے بن سکتا ہے تو وہ ان کا چھپا نہیں چھوڑتے تھے۔ مسلسل خطوط کی بارش، کر دیتے اور مہاراجہ کو یہ احساس دے تے کہ ان کی سفارش ہی سب کچھ ہے۔ وہ مہاراجہ سے بے پناہ انس و محبت کا اظہار اکثر تحفے تحائف بھیج کر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے خطوط میں چٹنی، اچار اور تمباکو جیسی چیزوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ تحفے بھیجنے کے بعد وہ منتظر رہتے کہ مہاراجہ جوابی خط میں اس تحفہ کی تعریف کریں۔ ذیل میں نیا فتح پوری کا وہ خط نقل کیا جاتا ہے جس میں تمباکو بھیجنے کا ذکر ہے۔ نیز مہاراجہ کی مشہور مثنوی "پریم دربن" کی اشاعت کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اس مثنوی کو نیا فتح پوری نے طبع کروایا تھا۔

دفتر رسالہ نگار۔ لکھنؤ

۸ مئی ۱۹۳۷ء

سرکار والا۔

"اس سے قبل ایک عریضہ حضور میں ذریعہ رجسٹری پیش کر چکا ہوں۔ ملاحظہ اقدس سے گزرا ہوگا۔ اس عریضہ کے ساتھ اسیر تھا کو کی بلٹی روانہ کرتا ہوں۔ یہ وہی تھا کہ جو سرکار نے پسند فرمایا تھا اور اب میں نے خاص اہتمام سے تیار کروایا ہے۔ میں علیل ہو گیا تھا اس لیے اس سے قبل نہ

بھیج سکا۔ اس کی قیمت ادا کر دی گئی ہے۔ محصول ریاست
 بہ خیال تحفظ ادا نہیں کیا گیا۔ امید ہے کہ سرکار والا اس
 ہدیہ حقیر کو قبول فرما کر معزز فرمائیں گے۔ پریم درپن کی تصاویر
 تیار ہو رہی ہیں۔ اللہ اخیر جون میں خود حاضر ہو کر
 پیش کروں گا۔

۔ مہال سے ایک رسالہ انکشاف ایک آنہ فنڈ سے
 نکلتا ہے۔ ایک آنہ فنڈ کی انجمن غربا کی تعلیم، یتامیٰ وغیرہ کی
 امداد کرتی ہے۔ اس رسالہ کے ایڈیٹر متمتی ہیں کہ سرکار
 والا کی کوئی غزل شائع کریں اور شبیہ مبارک بھی۔ اگر سرکار
 ان کو اجازت دے دیں گے اور کوئی تازہ غزل مرحمت
 فرمادیں گے تو اس انجمن کی عزت افزائی ہو جائے گی سرکار
 کی جو شبیہ میں لایا تھا اس کا بلاک بن گیا ہے۔ وہی
 پریم درپن میں دے دی جائے گی۔ اور وہی رسالہ انکشاف
 میں بھی۔ امید ہے کہ بنگلور کی آب دیو سرکار کے لیے
 صحت بخش ثابت ہوئی ہوگی۔ ایام دولت و اقبال
 مستدام!

خاکر

نیاز فتح پوری

اس کے بعد نیاز فتح پوری نے ایک اور خط لکھا جس میں اپنے ایک
 مضمون "سرسبزین دکن کی دل نواز شام" کا ذکر کیا ہے۔ نیاز صاحب

یہ مضمون "نگارستان" میں چھپ چکا ہے۔ نگارستان ان کے ادبی مقالوں اور افسانوں کا مجموعہ ہے۔ نیاز صاحب کا خط ملاحظہ ہو۔

دفتر نگار۔ لکھنؤ۔ ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء

سرکار والا

"تمہا کو کی بلٹی غالباً پہنچ گئی ہوگی۔ اگر سرکار کو یہ تمہا کو پسند آیا ہو تو مطلع فرمایا جائے تاکہ ادیب بھیج دوں اور اگر اس میں کوئی نقص رہ گیا ہو تو بھی ارشاد ہو کہ اس کو دور کرانے کی کوشش کروں۔

آج کی ڈاک سے رسالہ نگار ماہ مئی ۱۹۳۷ء کا ذریعہ رجسٹری ارسال خدمت گرامی ہے۔ ملاحظات کے سلسلہ میں ایک اور مضمون میں جو "سرزمینِ دکن کی ایک دل نواز شام" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ کچھ بے اختیارانہ کلمات سرکار کے متعلق بھی نکل گئے ہیں۔ اگر فرصت ہو تو سرکار ملاحظہ فرمائیں۔

سرکار کی شبیہ اور روپا کی جوتین رنگ میں تیار کی گئی ہے۔ بلاک پتے کے لیے کلکتہ روانہ کر دی گئی ہیں۔ امید ہے کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔

خاکسار

نیاز فتح پوری

مہاراجہ جوں کے انتہائی صاف گو واقع ہوئے تھے اس لیے انھوں نے

مرقت اور دل شکنی کا خیال کے بغیر تما کو کے بارے میں اپنی رائے لکھ بھیجی۔
مہاراجہ کا خط درج ذیل ہے :

کمار پارک

بنگلور

۲۶ مئی سنہ ۱۹۳۰ء

مہربان شاد

”آپ کا خط وصول ہو کر باعث مسرت ہوا۔ تما کو بھی پہنچی۔
میری رائے ہے کہ اس کو صرف تما کو ہی کہنا مناسب ہوگا۔
کیوں کہ اس میں خمیرہ کا بالکل مزہ نہیں ہے۔

رسالہ نگار یا بتمی سنسٹہ جو بذریعہ رجسٹری ارسال
کیا گیا تھا مجھے وصول ہوا۔ ”سرزمینِ دکن کی ایک دل نواز
شام“ کا آپ نے ایسا سراپا تحریر کیا ہے کہ اصل تصویر کی
جگہ قلمی تصویر پیدا کر دی ہے۔ میرے منہں جو کچھ بھی آپ
نے تحریر کیا ہے وہ غالباً اس غلوں کا نتیجہ ہے جو آپ کو
میرے ساتھ ہے۔ ”ورنہ من اتم کہ من دانم“ امید کہ آپ
بوعافیت ہوں گے۔

فقیر

تما کو کے بارے میں مہاراجہ کی رائے معلوم ہونے کے بعد بھی
صاحب نے تما کو کا بچھا نہیں چھوڑا۔ اس کے بعد جو خط انھوں نے
جوان کو لکھا ہے اس میں خط کے جواب سے مانوسی کا ذکر ہے حالانکہ

مئی کو مہاراجہ نے انھیں خط لکھا ہے :- اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان دونوں میں خط و کتابت مسلسل اور پابندی سے ہوا کرتی تھی۔ اور اسی تاخیر نیاز صاحب کو شاق گزرتی۔

نیاز صاحب کا خط یہ ہے :

دفتر نگار۔ لکھنؤ۔

۵ جون ۱۹۳۷ء

سرکار والا

”میں تو اپنے عزیزوں کے جواب کی طرف سے مایوس ہو چکا تھا۔ لیکن ۲۶ مئی کے نامہ عطفوت نے بقول شخصہ ”گرتا ہوا گھر تھام لیا۔“

سرکار کے الطاف عظیم نے اس قدر گستاخ بنادیا ہے کہ گاہے گاہے عرائف پیش کرنے کی جرات ہو جاتی ہے، ورنہ نظا میر ہے کہ میں کیا اور میرے مکتوبات کیا۔

سرکار نے ”سرزمینِ دکن کی ایک دل نواز شام“ کو پسند فرمایا۔ اس سے زیادہ صلہ اور کیا مل سکتا ہے۔ خدا سرکار کو اس دقت تک قائم رکھے جب تک فطرت کو دنیا میں دودھ خلوص و انسانیت کی یادگار باقی رکھنا ہے۔

پریم دپن کا بیڑا کام ختم ہو چکا ہے۔ یعنی بلاک تصاویر کے تیار ہو چکے۔ کتابت ہو رہی ہے۔ کوشش کر رہے ہوں کہ جلد از جلد اس کو لے کر بارگاہ گرامی میں حاضر ہوں۔

غالباً سرکار والا حیدر آباد واپس تشریف لے آئے ہوں گے
اور معہ وابستگان دامن دولت صحت و عافیت کے
ساتھ ہوں گے۔ میں نے ایک اور جگہ نہایت اہتمام
کے ساتھ تما کو تیار کرنے کا انتظام کیا ہے۔ انشاء اللہ
اپنے ساتھ لاؤں گا۔ خدا کرے سرکار کو پسند آجائے۔
اگر انشاء ہو تو ”جلوہ کرشن“ کی طباعت کا بھی انتظام
اسی پیمانہ پر شروع کر دیا جائے۔“

خاکسار

نیاز فتح پوری

جلوہ کرشن مہاراجہ بہادر کی مثنوی ہے۔ نیاز صاحب یہ چاہتے
تھے کہ پریم درپن کی طرح اس مثنوی کی طباعت کا بھی ذمہ لیں۔ اس
طرح علم و ادب سے انھیں جو فطری لگاؤ تھا اس ذوق کی تکمیل بھی
جاتی اور مہاراجہ سے خط و کتابت کا بہترین موقع بھی میسر آ جاتا۔
تاج محل، بھوپال

۱۵ ربیع الاول

مطاعی الاعز

عافیت مزاج گرامی عرصہ سے دریافت نہیں ہوئی۔ دل کو گراہی ہے۔
خدا کرے عریضہ حضرت کی خدمت میں یہ حالت مسرت و
شانیت پیش ہو۔ میری جدید تصنیف ”گہوارہ تمدن“
ہو چکی ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد ملا حظہ اقدس میں

محبت نامہ رقم ۱۵۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ وصول
 ہو کر موجب اردیا دسترت ہوا۔ آپ کی تازہ تصنیف گہوارہ
 تمدن کا جو قیناً اسم با سچی ہوگی غنچہ ہوں خدا کرے وہ وقت
 وقت سے پہلے بھی آجائے جس وقت میں یہ لکھوں۔
 ایں آمدنت باعث خوشنودی شاد

وے دیدن تو موجب میمونی باد
 آپ نے اپنے جس عزیز دوست کے متعلق پریشانی و سرگردانی
 کی کیفیت تحریر کی ہے اگر ان کی خدمت فقیر شاد کے امکان
 میں ہے تو کیا عذر لیکن ان کا نام کیا ہے اور قبل ان میں کیا
 شغل رکھتے تھے۔ اور کس علم یا فن میں مہارت خاص رکھتے
 ہیں۔ اگر یہ امور معلوم ہو جاتے تو مناسب تھا۔ تاکہ ان کی
 صنف خدمت کا ایک معیار ذہنی قائم ہو سکتا اور امکان و
 عدم امکان کا بھی فی یا جزو فی اندازہ ممکن ہوتا۔

اگرچہ سوائے شرکت واجب الوجود عالم میں کوئی شے
 غیر ممکن نہیں بلکہ بنوین بونا پارٹ کا مقولہ ہے کہ لفظ ناممکن
 دنیا کی ڈکشنری میں بالکل غلط اور بے معنی ہے۔ لیکن یہ ضرور
 ہے کہ انسان ہر شے کے امکان پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اگر اس
 اعتبار سے لفظ ناممکن کو صحیح مان لیا جائے تو ممکن ہے۔ یقین کہ
 آپ مع انجیریوں گئے۔

تاج محل - بھوپال

۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء

مطاعی الاعز۔

نامہ گرامی کا شکریہ۔ چوں کہ حاضری آستانہ کاظم
قوی ہوتا جا رہا ہے اس لیے گہوارہ تہاں خود ہی پیش کروں گا۔
اگر خدا نخواستہ کامیاب نہ ہوا تو پھر ذریعہ ڈاک بدرجہ مجبوری
روانہ کروں گا۔ جن صاحب کے لیے میں نے لکھا تھا ان کا
اسم گرامی سید حسن اسماعیل ہے۔ اور نواب صدیق حسن
خان صاحب کے قریب عزیزوں میں ہیں۔ پہلے ریاست
بھوپال سے ان کا معقول منصب مقرر تھا، لیکن جب یہاں
کی سیاسی آب و ہوا میں انقلاب پیدا ہوا تو منصب بند
ہو گیا اور یہ سلسلہ ملازمت عرصہ تک پیشکار وزارت مال
اور تحصیل دار درجہ اول کام کرتے رہے اور اپنی خدمات
کو نہایت قابلیت کے ساتھ انجام دیا۔ چوں کہ فطرتاً
نہایت غیور واقع ہوئے ہیں اس لیے بعض ناگوار واقعات
کی بنا پر ترک ملازمت کر کے خانہ نشین ہو گئے۔ مگر
فوج داری کے کام کا نہایت اچھا تجربہ ہے اور سب سے
بڑی خصوصیت جس کی آپ کو ضرورت ہے یہ ہے کہ
بے انتہا شریف النفس اور نہایت فرض شناس شخص
رہتے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ حضرت کی ریاست میں ان کی خدمات بہت مفید ثابت ہوں گی۔ اپنے حالات کے متعلق جو خط انھوں نے مجھے لکھا ہے وہ بھی بغرض ملاحظہ پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

خادم
نیاز فتح پوری

نام مکتوب الیہ... بنتی نیاز محمد خاں صاحب نیاز فتح پوری
یتا..... تلج محل۔ ریاست جھوپال

از مقام سٹی پولیس پیشکار کاری حیدر آباد دکن
تاریخ ۹ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ ۸ مہینہ ۲۹ شوال ۱۳۳۸ھ ۲۹ جنوری ۱۹۲۰ء

نیاز شاہ نواز

وصول نامہ مودت رقمزدہ ۲۲ دسمبر ۱۹۱۹ء موجب انبساط
ہوا۔ یوں تو ابتدائے زمانہ تعارف سے شاد کو آپ کی ملاقات
کا انتظار اور شوق رہا ہوا تھا ہی مگر۔

وعدہ وہیل چوں شود نتر دیک

آتش شوق تیز تر گر دد

۱۹ء ختم ہو کر سندھ کا آغاز ہو گیا مگر دیکھیے یہ بیشک
فحش کب تک اپنا اثر دکھاتا ہے۔

سید حسن اسلمین صاحب کے متعلق آپ کی اور نثر

ان کی تحریر سے کیفیت معلوم ہوئی۔ فی الحقیقت قابل قدر
نہرور ہیں۔ لیکن فقیر شاد کی مختصر سسی اسٹیٹ ان کی کیا
خدمت کر سکتی ہے۔ یہی ریاست دکن اس کے متعلق پیشتر
بھی تحریر کر چکا ہوں کہ دو تین سال سے بالکل ممنوع اسٹی کر دیا
گیا ہوں۔ ورنہ آپ کی سفارش اور ان کی قابلیت شاد کو
ن کے لیے کوشش پر ضرور مجبور کرتی۔

گزشتہ ہفتہ عشرہ میں شاد کو انفلوئنزا نے پریشان
کر دیا تھا۔ مگر بفضلہ اب صحت ہے۔ صرف نقاہت باقی
ہے۔ وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ دفع ہو جائے گی۔
گہوارہ تمدن کے بھی مطالعہ کا انتظار ہے جین کر رہ
ہے۔ امید ہے کہ وہ گہوارہ خالی نہ ہوگا بلکہ طفلِ معاشرت
بینیں لے نکلا ہوگا۔
یقین ہے کہ آپ مع الخیر والعافیت ہوں گے۔

تاج محل۔ بھوپال

۲۵ جنوری

منطاعی الاعز

میں نے ارادہ تو کر لیا۔ ہے کہ فوری کے ہفتہ اول میں
کسی دن باطل غیر متوقع طریق سے آستانہ و گرامی پر حاضر ہو جاؤں
خدا کرے یہ عزم پورا ہو۔ میرے داماد میو بی قمر الحسن کو بھی حضرۃ

کی زیارت کا بے انتہا شوق ہے، اس لیے قوی امید ہے کہ وہ بھی میرے ساتھ ہوں گے۔ یہاں طاعون شروع ہو گیا ہے۔ اللہ رحم فرمائے۔ امید ہے کہ مزاجِ اقدس اب صحتِ اعتدال پر ہو گا اور انفلونزا کے اثرات نائل ہو گئے ہوں گے

خادم
نیاز

یہاں کے طاعون اور تبدیل مقام کا بھی اس کے جواب میں اطلاع دی جائے۔

نام مکتوب الیہ..... منشی نیاز محمد صاحب نیاز فتح پوری
پتہ..... تاج محل - ریاست بھوپال

از مقام سٹی پبلک پیشکاری حیدر آباد

تاریخ ۹ ہر جمادی الاول ۱۳۳۸ھ ۲۸ اگست ۱۳۲۹ء ۳۱ جنوری ۱۹۲۰ء
نیاز شاہ دنواڑ

وصول مودت نامہ رقمزدہ ۲۵ جنوری ۱۹۲۰ء عیث
مسرت ہوا۔ افسوس کہ جس بلا کے باعث آپ بھوپال سے
بلدہ کا ارادہ کر رہے ہیں بلدہ پہلے ہی سے اس میں مبتلا
ہو چکا ہے اور ترقی کر رہی ہے۔ کوئی محلہ ایسا نہیں جو مطعون
نہ ہو۔ شاید آپ کو اخبارات کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا درتہ
روزانہ مفصل کیفیت شائع ہوتی رہتی ہے۔ فقیر نانہ کے اطراف

داکناف کی ہوا زیادہ خراب ہو جانے کے باعث شاد نے بھی عواستگان فقل مقام کر کے کرمن گھٹ میں سر دست قیام کیا ہے۔ جو خواجہ کلش کے نام سے موسوم ہے اور یہ موضع سرورنگر میں واقع ہے۔ نام سرور سے کیفیت ہوتی ہے مگر افکارات لامتہ کے باعث سرور سے سرور ہونا مشکل ہے۔ چوتھی فقیر نادہ کی تقریب شادی بھی جو ماہ مال میں قرار پائی تھی اسی وجہ سے ملتوی کر دی گئی۔ ایسی حالت میں آپ کا عزم بلدہ جس قدر تکلیف دہ ثابت ہو گا وہ ظاہر ہے۔ اور اس کا اندازہ آپ خود بھی کر سکتے ہیں۔ شاد کے خیال میں آب و ہوا صاف ہونے کے بعد اگر آپ معہ اپنے داماد مولوی قمر الحسن صاحب بلدہ کا عزم فرمائیں تو مناسب ہے۔

”ہر کسے مصلحت خویش نگو میداند“

یقین کہ آپ مع الخیر والعافیت ہوں گے۔

فقط

۱۔ خط کے مسودے میں دیوڑھی کا لفظ لکھا تھا جس کو مہاراجہ نے پیش سے فقیر خانہ بنا دیا ہے اور مسودہ نگار کو ان الفاظ میں تادیب کی ہے۔

”اپنے مکان کو دیوڑھی کہیں۔ اس سے بڑھ کر حماقت نہیں۔ ذرا تمیز سیکھو۔“

تاج محل - بھوپال

۱۲

مطامی الاعز

میں کس بجبئی سے پندرہ روز کے بعد واپس آیا ہوں۔
اس لیے نامہ گرامی کے جواب میں تعویذ ہوئی۔ میں نے فی الحال
حمید راہ باد کا غم ملتوی کر دیا ہے۔ لیکن اس شرط سے کہ حضر
کی خیریت معلوم ہوتی رہے۔ ورنہ دل کو سخت اگرائی رہے گی۔
میں بھی نقل مکان کی فکر کر رہا ہوں۔

خادم

نیاز فتح پوری

تاج محل - بھوپال

۳

مطامی الاعز

دولت جاوید بکام باد
میں کل دیر ۱۵ دو ماہ تک خانماں برباد رہنے کے بعد
معمہ متعلقین کے پھر یہاں واپس آ گیا ہوں۔ اب یہاں کی
آب دہوا مانل بہ اعتدال ہے۔ گویا لکل صاف تھیں۔
معلوم نہیں حضرت کا قیام اب کہاں ہے اور حمید راہ باد کی
حالت کیا؟ امید ہے کہ مزاج گرامی معمہ وابستگان دامن
دوست کے مع اخیر ہو گا اور اطلاع خیریت سے مجھے مسرور
دستین کیا جائے۔

خادم

نیاز فتح پوری

تاج محل - بھوپال

۱۴

مطاعی الاعز

معلوم نہیں آج کل آپ کہاں تشریف لے رہے ہیں۔ میرے
عرصہ کا جواب نہیں ملا۔ خدا کرے مزاج بخیر ہو۔
میں پھر عازم حیدرآباد ہوں۔ اگر جناب اجازت مرحمت
فرمائیں۔

خادم

نیاز فتحپوری

(ان کے خطوط کے جوابات کیوں نہیں گئے)

تاج محل - بھوپال

۱۱

مطاعی الاعز کثر اللہ امثالہ

اس سے قبل میرے دو عریضوں کا جواب نہیں ملا۔ چوں کہ
جناب کے الطاف نے گستاخ کر دیا ہے اس لیے پھر یاد دہانی
کی جرات کر رہا ہوں۔ مزاج گرامی کی خیریت سے کبھی کبھی مطلع
فرماتے رہے کہ عرصے تک حالات نہ معلوم ہونے سے دل کو
بگڑانی رہتی ہے۔

خادم

نیاز فتحپوری

نام مکتوب الیہ... بنشی نیاز محمد خاں صاحب نیاز فتح پوری
پتا..... تاج محل۔ بھوپال

از مقام سٹی پولیس۔ پیشکاری
حیدر آباد دکن

تاریخ ۱۳ محرم ۱۳۳۹ھ ۲۱ آبان ۱۳۲۹ھ ۲۶ ستمبر ۱۹۱۰ء

نیاز شاد نواز

آپ کا محبت نامہ مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۲۰ء وصول ہو کر
موجب ازدیاد مسرت ہوا۔

آج کل طاعون نے سکندر آباد کو جو بلدہ حیدر آباد دکن
سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے اپنا مسکن بنالیا ہے۔
الحمد للہ بلدہ اس وقت تک اس منحوس مرض سے متاثر
نہیں ہوا۔ خدا کرے کہ آئندہ بھی نہ ہو۔ خدا خدا کرے
بارش نے اس ہفتہ میں دو چار گھنٹہ کے لیے کبھی کبھی اہل
دکن کی کچھ کچھ چشم شوی کی کالی گھٹائیں جو اکثر اوقات جھوم
جھوم کراٹھتی ہیں اگر برس جاتیں تو مناظر قدرت کے
جاں فرزا منظر آئیں دل فریب صورت اختیار کرتے اور
تشتگان دکن کی جان میں جان آجاتی اور تازہ کام ہوتے
لیکن روزہ عاشورہ سے وہی بادِ سموم کے جھونکے اور وہی
امساک بارش کا رونا ہے۔

پلیگ پھر شروع ہو گیا ہے خدا محفوظ رکھے۔

شادہ مع وابستگان مع اخیر والعافیہ ہے۔ یقین ہے کہ
آپ بھی خوشش و خرم ہوں گے۔

فقط

بھویال - ۲۵ جنوری ۱۳۳۲ھ

مطامعی الاعز

میں ایک مہینہ کے بعد کل یہاں واپس آیا ہوں۔
کس قدر ندامت ہے کہ نامہ گرامی کا جواب تعویق سے جا
رہا ہے۔

نگار کے متعلق جن خیالات کا اظہار حضرت نے فرمایا
ہے انھیں میں اپنے لیے باعث فخر و ناز سمجھتا ہوں حقیقت
یہ ہے کہ اگر حضرت حوصلہ افزائی نہ فرمائیں تو مجھ سا ہی ماہ
شخص کیا کر سکتا ہے۔

نگار کے پچھلے پرچے بالکل نہیں رہے، تاہم کوشش
کر رہا ہوں کہ ایک جلد مرتب کر کے پیش کروں۔ لیکن
وی۔ پی بھیجنا میرے اختیار میں نہیں ہے اور نہ میں ایسی
جہازت کر سکتا ہوں۔ اب بھی جو کچھ نگار کے پاس ہے وہ
حضرت ہی کا صدقہ ہے۔

جذبات بھاشا کی ایک کاپی ذریعہ رجسٹری پیش
کرنا ہوں۔ "چندہ کی رقم کا بعد امانت جمع ہونا" اس لیے
ہے کہ نگار حضرت سے چندہ وصول کرنے کے لیے آمادہ

نہیں۔ کیا ہم لوگوں کے لیے یہ خیالی کہ باءِ مسرت ہے
 یہ کہ حضرت اس پر لطف فرماتے ہیں اور کیا
 حضرت کی سرپرستی ہمیں نگار کے مستقبل کے طرف
 سے بے نیاز بنادینے والی نہیں ہے کہ چندہ طلب کیا
 جائے۔

حضرت کی طرف سے اس رقم میں ایک یتیم خانہ
 کے نام نگار جاری کر دیا گیا ہے۔

عقیدت مند
 نیاز فتح پوری

۲۸/۴

مطاعی الاعز کثر اللہ امثالہ
 اگر نیاز ناموں پر التفات قدیم صرف نہ فرمانا، کسی برہمی کی
 وجہ سے ہے تو خدا کے لیے اس سے آگاہ فرمائیے اور مجھے
 موقعہ دیجیے کہ اگر کوئی غلطی ہو گئی ہے تو معذرت کروں،
 معافی چاہتا ہوں۔ اس حالتِ منتظرہ میں نہ رکھیے کہ یہ
 عظیم ہذا کت ہے اور ناقابلِ برداشت صعوبت۔

نیاز مند دیرینہ
 نیاز فتح پوری

غبارِ صاحب

دیشاید کوئی خط آپ نے لکھا نہیں۔ میری طرف سے بھیجی نہیں

اس لیے یہ شکایت ہے۔ (فسوس۔ جلد مسودہ پیش کیجیے)

نام مکتوب الیہ.... حضرت نیاز فتح پوری
پتہ..... نور محل بھوپال

از مقام.... سٹی پولیس پیشکاری حیدر آباد دکن
تاریخ ۲۸ صفر ۱۳۲۲ھ ۴ اذر ۱۳۳۳ء ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۳ء

بخدمت شریف حضرت نیاز فتح پوری
یکے بعد دیگرے آپ کے دو خط ہزار کسلنسی سر مباراجہ
یمین السلطنت کے ملاحظہ سے گزرے۔ پانچ چھ مہینے سے
سرکار ادون گوناگوں افکار و آلام میں مبتلا ہیں جن کے احساس
سے وہی دل متاثر ہو سکتا ہے جو اس قسم کے افکار و آلام
میں مبتلا ہوا ہو۔ سب سے پہلے ۲۵ شعبان کو سرکار
کے وارث و جانشین راجہ خواجہ پرشاد بہادر کی آنکھ میں
لوہے کی ایک کیل چھید گئی تھی جس سے ہزار کسلنسی کی آنکھوں
میں دنیا تیرہ و تار ہو گئی۔ ڈاکٹری علاج سے زخم تو مندمل
ہو گیا مگر بصارت میں فرق آگیا۔ آج تک بصارت کی کمی
ایک حالت پر ہے۔ کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ ڈاکٹروں کا
بیان ہے کہ عرصے سے بصارت عود کر آئے گی۔
..... و بھی بشارت دیتے ہیں مگر وقت کوئی یقین نہیں۔
کرتے کہ کب۔ ہر ممکن کوشش بٹائے بصارت کے لیے

گئی اور کئی جا رہی ہے لیکن ہنوز روزہ اول ہے۔ ابھی یہ
 سہ ماہہ تازہ تھا کہ ۱۹ صفر کا دن گزر جانے کے بعد شب
 شنبہ کو سرکار کی ایک صاحبزادی جو ایک مسلمان محل سے
 تھی اور جس کی عمر نو دس برس کی تھی دو تین دن کے بخار
 میں مبتلا ہو کر دائمی مفارقت کا داغ دے گئی۔ انا بید
 وانا الیہ راجعون۔ انسان کیسا ہی مستقل مزاج کیوں
 نہ ہو لیکن رنج و آلام کی معمولی سے معمولی ٹھوکر کی تاب
 نہیں لاسکتا اور دائرہ صبر و ضبط سے باہر ہو جاتا ہے
 مگر یہ سرکار ہی کا جو مسئلہ ہے کہ ہر صدمہ کو خدا داد استقلال
 و صبر سے کام لیتے ہیں اور ہر حال میں تابع مشیت الہی
 ہیں۔ روح فرساذانگوں سے جگر و دل بھر گئے مگر اُف
 نہیں کرتے۔ نواسے نواسیوں کے سوا اٹھارہ اولادوں
 کے داغ دل پر ہیں جن میں بارہ بیٹے چھ بیٹیاں ہیں مگر
 راضی بہ رضا ہیں۔ دم نہیں مارتے۔ جزرع قزرع نہیں
 کرتے۔ خدائے بزرگ و برتر ہذا کسلنی کو ان روح فرسا
 صدمات میں صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائے۔

بایں ہمہ صدمات و آلام بمصداق؛

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
 انیس ٹھیس نہ لگ جائے آئینوں کو

احباب کی یاد کو ایک اہم فرض تصور فرماتے ہیں۔ رسالہ نگار

کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

”نیاز صاحب نے اس ادبی، تاریخی، تمدنی اور
 دل چسپی رسالہ کو دل چسپ اور مفید بنانے سے زیادہ
 ہر گز ہٹانے کی کوشش میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ کیونکہ
 ہو۔ وہ ایک طرزِ قدیم کے ایک کہنہ مشوق اور مسلم الثبوت
 شاعر ہونے کے علاوہ جدید طرز کی نظم و نثر میں بھی کافی
 مہارت رکھتے ہیں۔ نیاز صاحب کا درجہ اپنی گونا گوں
 خصوصیات کے لحاظ سے دورِ حاضر کے اہل علم و کمال
 میں بہت بلند اور سلاستِ ذوق کے معیار سے بھرا ہوا
 ہے۔“

یہ بھی فرمایا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کو قلب
 کے بعد خود ہذا سلسلی آپ کو خط لکھیں گے۔

FATHPUR, UP.

27/1/14

منجھی و مطاعی۔

حضرت میرزا صاحب کے دیوانِ قلمی کے صفحہ اول اور
 مصنفِ موصوف کے دستخط کا عکس روانہ کرتا ہوں جنہو
 سے خوشنودی مزاج کی حالت میں پیش ہو۔ خواہم
 نیاز محمد خاں نیپا۔

اختر منزل ، ہانسی (حصار)

۲۹ نومبر ۱۳۳۷ھ

مطاعی و محترمی ،

مُجرا قبول ہو۔

میرے پاس ایک نسخہ حضرت میرزا مظہر جانجاناں کے دیوان فارسی کا ہے ، اس میں ایک خصوصیت تو یہ ہے کہ میر حکیم الحسینی کے باعث کالج ہوا ہے جو سرآمد خوشنویسان خط شفیعہ تھے اور اس لیے اس وقت اس سے بہتر نسخہ اس خط کا نظر نہیں آسکتا ، دوسری خصوصیت جس نے اس نسخہ کو بے مثل بنا دیا ہے وہ یہ ہے کہ خود حضرت مصطفیٰ نے اس کو ملاحظہ فرما کر اپنے دست مبارک سے تصحیح و تصدیق فرمادی ہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ تحفہ جناب کی خدمت میں پیش کر دوں اور اس کے عوض سوائے اس کے اور کچھ نہیں چاہتا کہ زندگی کے بقیہ ایام ایک پریناعت زیست کے ساتھ کسی گوشے میں بسر کر دوں ۔

اگر جواب سے سرفراز کیا گیا ، تو میرے لیے باعث صد افتخار ہے ۔

خادم
نیا محمد قاسم نیاز
فتح پوری

نور محل۔ بھوپال

۵ اتروری

مطاعی الاعز۔

غالباً جناب ہوش بلگرامی کی تحریر سے حضرت کو معلوم
ہوا ہوگا کہ میری آرزوئے قدمبوسی جسے عرصہ سے دل میں لیے
ہوئے ہوں، اب تکمیل کے لیے بے تاب ہے اور اخیر فردق
میں حاضری کا ارادہ استوار ہو چکا ہے لیکن قیل اس کے کہ میں
روانہ ہوں، ضروری ہے کہ حضور کو بھی اس کی اطلاع دے
دوں اور اجازت باریابی حاصل کر لوں۔

اس وقت تک حاضری میں تعویق صرف اس وجہ
سے ہوئی کہ جناب ہوش کی معیت کا خیال تھا۔ لیکن
چوں کہ ان کا ارادہ برابر ملوثی ہوتا جا رہا ہے اس لیے یا تو
ہو کر اب تنہا شرف ملازمت حاصل کرنے پر مجبور ہوں۔
خدا کرے بندگانِ ہمایوں کی طرف سے جلد فرمانِ باریابی حاصل
ہو اور میں اس سعادت سے جلد پہرہ یاب ہو سکوں۔

خاکسار

نیاز فتح پوری

غبار صاحب

کیا جواب دیا جائے۔ نیاز صاحب آئیں گے تو ضرور مہمان
کرنا ہوگا۔ کوئی مکان اس قابل نہیں ہے۔

بھوپال - ۲۳ فروری ۲۶

مطامع الاعز

مکتوب گرامی نے معزز ثرایا۔ ایسی صورت میں کہ حضرت
خود بلدہ سے باہر بحالتِ فکر و اضطراب و گردشِ ہوا میرا حاضر ہو
مناسب نہیں۔

خدا کو ہے یہ بلا بلکہ روزِ ہوا اور حضرت پھر بحالتِ امن
دسکون بلدہ میں رونق افروز ہوئے۔

امید ہے کہ رمضان تک اس میں کمی ہو جائے گی اور میں
یہ کی مبارک باد پیش کرے کہ یہ خود حاضر ہو سکوں گا۔

خادم
نیا نفتح پوری

(سودہ)

جناب سید صادق حسین غبار منتظم پیشی
خدمت شریف حضرت نیاز فتح پوری

آپ کا خط مورخہ ۲۳ فروری ۳۲۶ لکھ اس وقت مرکا
کے ملاحظہ سے گزرا جبکہ سرکار اپنی جاگیر شادنگر کو جو حیدر آباد سے
تقریباً ۲۰ میل کے فاصلے پر ہے سوار ہو رہے تھے۔ سرکار دامِ اقبال
نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں آپ کے خط کا جواب دوں۔

چونکہ سرکار آج کل شادنگر میں رونق افروز ہیں اور وہاں
سے عجیب نہیں کہ محبوب انگریز شریف سے جائیں جو شادنگر سے اتنے

ہی فاضل ہے۔ ادھر سرکار کا مزاج نادرست ہو گیا تھا۔ ۱۰۲ اور
بخار تھا اس پر ولی عہد رانہ بیادرا اور ان کی بڑی ہمشیر کو بھی
بخار تھا۔ دوسرے صاحبزادوں کو بھی مزاج نادرست تھا۔ ان
وجوہات سے سرکار نے شاذ گمراہ محبوب نگر کے قیام کو ترجیح دی۔
آئندہ دیکھیے کہاں قیام ہوگا۔

فقط
مفتظم پیشی

نور محل۔ جہانپور

۲۵
۲

مضامین نامہ

میں اس زمانہ میں اس درجہ رانہ ستمہائے روزگار رہا
کہ اپنی حیات کو مستحق بے حیائی سمجھنے لگا ہوں ان کی
تفصیل سے اوقات گرامی کو خوب گرتا نہیں چاہتا کہ یوں بھی
مجھے حضرت کے افکار کا علم ہے، لیکن پھر بھی مجھ سے ہوں کہ
حضرت کو ایک سنا میں ملاحظہ میں توجہ دلا کر اعانت کا طلب گار
ہوں۔

حضرت کو تو یاد نہ ہوگا، لیکن میرے دل میں ہمنوردہ
نقش تازہ ہے، جب اب سے چھ سات سال قبل جناب
نے ہنز بانس نامی محمد حمید اللہ خان بہادر کے نام جب
وہ ہنز بانس نہ تھے میرے متعلق ایک تحریر روانہ فرمائی تھی اور

انہی بنا پر تصنیف و تالیف کی خدمت کے لیے منتخب کیا گیا تھا لیکن
جسمانی مقصورات کا وہ حاصل نہ ہوا تھا کیوں کہ ملازمت کی حیثیت
میری بدستور قائم رہی اور ہے۔

ضرورت تھی کہ میری موجودہ تنخواہ درمیان سپر جونیئرز بھی کچھ
زائد نہیں ہے، ماحظیفہء علمی کی صورت اختیار کرتی اور میں ملازمت
کی پابندیوں سے بے نیاز ہو جاتا۔ ہر چند ہنزہائیس حال کا بھی
منشا یہی تھا لیکن دفتری الجھنوں میں اس کی صورت بدل گئی۔
بہر حال اب چوں کہ جدید انتظامات درپیش ہیں اور

موقعہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی طے کر لیا جائے اس لیے میں پھر حضرت
کو تکلیف دیتا ہوں۔ اگر جناب نے براہ راست ہنزہائیس
سکندر صولت افتخار الملک نواب حاجی محمد حمید اللہ خاں بہادر
بالقابہ کو تحریر روانہ کر دی تو کامیابی یقینی ہے اور اگر یہ مناسب
نہ ہو تو نواب زادہ سعید الظفر خاں بہادر (جنرل صاحب مرحوم
کے صاحب زادے) کو لکھ دیجیے کہ وہ اپنے فرماں روا چچا سے
ذرا ضد کر کے اس کام کو حسب منسلطے کرادیں۔ نواب زادہ صاحب
موصوفی خجھ پر عنایت فرماتے ہیں۔ لیکن حضرت کے لکھنے کا جو
اثر ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔

سفارتی تحریروں میں میری دیگر علمی خدمات کے ساتھ نگار کا
تذکرہ خصوصیت کے ساتھ ہونا چاہیے جس سے ہنزہائیس اس
کی اہمیت کو سمجھ سکیں اور معلوم کر سکیں کہ اس سے بہتر علمی خدمت

میں اور کوئی انجام نہیں دے سکتا۔

حضرت، بات یہ ہے کہ بھوپال میں رہ کر نگار کو ترقی کسی طرح نہیں ہو سکتی اور میں بے تاب ہوں کہ کسی طرح لکھنویاں دہلی جاکر اس کو اس کے حقیقی معیار پر پہنچاؤں، لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب یہاں کی ملازمت کی پابندی سے آزاد ہو جاؤں سو اس کی دوسری صورتیں ہیں۔ اسے عفا دول یا موجودہ مشاہیر کے کوٹلی وظیفہ کی صورت میں منتقل کر اؤں۔ اول صورت پر عمل کرنے سے نگار کا چلنا دشوار ہے اور دوسری صورت میں اسی وقت کامیابی ہو سکتی ہے جب حضرت توجہ فرمائیں۔

حضرت ان کو لکھیں کہ عظمیٰ خدمت کرنے والوں کے لیے پابندی مناسب نہیں، چنانچہ حیدرآباد میں بھی جن کو علمی وظائف ملتے ہیں وہ آزاد ہیں اور آزادی کے ساتھ ہی وہ اچھا کام کر سکتے ہیں۔ بہر حال اب میں اس مسئلہ کو جناب ہی کے سپرد کرتا ہوں، جس طرح اور جس ذریعہ سے مناسب ہو اس کو انجام تک پہنچا دیں۔ میں زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا ہوں کہ حضرت کے سمع مبارک تک اپنے حالات پہنچا دوں۔

خاکسار

نیاز فتح پوری

(سورہ)

نام مکتوب الیہ... حضرت نیاز فتح پوری از معاصر... پیشگامی پبلیشرز
پتا..... نور محل بھوپال تاریخ ۱۹ دئی الحجہ ۱۳۸۵ھ ۲۵ اگست ۱۹۶۴ء
۱۹۶۴ء

بخدمت شریف حضرت نیاز

آپ کا خط مورخہ ۵ ارجون ۱۳۸۵ھ ہزار ایسی سر مہاراجہ
بہادر زمین السلطنت کے ملاحظہ سے گزوا۔ سرکار شاد آپ کی
یاد آوری کا شاد کامی کے ساتھ شکریہ ادا فرماتے ہیں۔

آپ کی حسب خواہش ایک چٹھی ہزار ایسی نواب افتخار
الملک فرمانروائے بھوپال کے نام مکتوف ہے۔ اگر آپ کے مقصد
کے موافق ہو تو ان کو پہنچا دیجیے اور اگر اس میں کچھ ترمیم و ترمیم
کی ضرورت ہو تو براہ کرم اسی چٹھی میں لکھا بڑھا کر واپس فرما
دیجیے تاکہ اس کے موافق بھیجی جائے اور اگر نہیں ہے تو رسید
ایما فرمائیے۔

سید صادق حسین غبار

والی بھوپال کو جو خط لکھا جا رہا تھا اس کے طریقہ مخاطب پر مہاراجہ نے اعتراض
کرتے ہوئے لغافے پر ہی ذیل کی عبارت لکھی ہے :

غبار صاحب

آپ کی استغنائی روز بروز عمر کے ساتھ ترقی کرتی جاتی
ہے۔ میں روکتا ہوں مگر وہ جوانوں کی طرح بہت تیزی کے ساتھ
قدم بڑھائے جا رہی ہے۔ اندیشہ ہے کہ سکندری نہ لکھا جائے

اس لفافے کو خوشنویس نے لکھا ہے۔ دوسرے اس کے خطابات شریک نہیں خصوصاً خطابات انگریزی کہاں ہیں معلوم نہیں۔ مثلاً وہ G.C.S.I. میں یا فقط G.C.A.E میں کچھ پڑ لگتا۔ اور لفافہ مانوگرام اسٹیٹ کا نہیں ہے ہونا چاہیے تھا۔ اگر آئندہ سے پھر آپ، بغیر مطالعہ کوئی کام کریں تو مجھے مجبوراً سمجھنی کرنی پڑے گی۔

نام مکتوب الیہ نواب افتخار الملک حاجی محمد حمید اللہ خاں بہادر
پیتا بھوپال اسٹیٹ

از مقام پیشکاری پولیس حیدرآباد دکن

تاریخ۔ ۱۸/۱۲/۱۳۳۵ھ ۲۴/۱۲/۱۳۳۵ھ ۲۹ جون ۱۹۲۰ء

اولاً فقیر شاہ جوش دل سے حق۔۔۔ کی مبارک یاد دیتا ہے۔ خدا کرے
کہ یہ دوسرے رست و نشاط پائیدار ثابت ہو۔ اگرچہ فقیر واقف ہے
کہ یورہائیس ایک عرصہ سے حضرت ہائیس دام ظلہ کے بار حکمرانی
کو اپنی مدد سے ہلکا کیے ہوئے تھے۔ یورہائیس کی معاملہ فہمی، رعایا
نوازی اور اخلاق پر جب نگاہ پڑتی ہے تو لمحالہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ
اس قبائے است کہ بر قامت او دوختہ اند

ثانیاً فقیر شاہ حضرت نیاز فتح پوری رئیس التحریر نگار کے خاص
معاملہ میں یورہائیس کو توجہ دلاتا ہے۔ چھ سات سال قبل فقیر نے
حضرت نیاز فتح پوری کے متعلق ایک خط لکھا تھا۔ جس کی بنا پر
تصنیف و تالیف کی خدمت کے لیے ان کا انتخاب کیا گیا تھا۔

لیکن اس انتخاب سے ان کا مقصود اصلی حاصل نہوا کیوں کہ ملازمت کی حیثیت بدستور قائم رہی اور اب تک سہمہ جس سے ان کی ترقی کی رفتار رک گئی۔ اگر وہی ماہوار جو ان کو ملتی ہے وظیفہ علمی کی صورت اختیار کرتی اور ملازمت کی پابندی سے حضرت نیاز بے نیاز ہو جاتے تو رسالہ نگار کی ترقی میں چار چاند لگ جاتے۔

رسالہ نگار میں حضرت نیاز کی ادبی قابلیت سے بزم ادب میں جو فائوس خیال روشن ہوا ہے کون پیکر تصویر ہے جو اس کا غدی بیرون پر منازل زیست قطع کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔ علمی لحاظ سے گنا ایک بہت بڑی نعمت اور بیش بہا خزانہ ہے۔ زور بیان، جدت فکر اور بلندی خیالات کے لحاظ سے ادبی دنیا میں نگار بالکل ایک نئی چیز ہے۔ حضرت نیاز نگار کی تدوین کا شاعری میں جس انہماک و دل چسپی سے فلسفیانہ لٹریچر کے فراہمی کی کوشش کرتے ہیں اردو داں پبلک کے لیے قابل تقلید مثال ہے۔ مگر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت نیاز نگار کو جس حقیقی معیار پر لاتا چاہتے ہیں اس وقت تک نہیں لاسکتے جب تک ملازمت کی پابندیوں سے آزاد نہ ہو جائیں اور یہ امر یورپینس کی توجہ خاص پر منحصر ہے۔ کیوں کہ ظاہر ہے کہ علمی خدمت کرنے والوں کے لیے پابندی مانع ترقی ہے۔ حیدر آباد میں بھی جن کو علمی وظائف

ملے ہیں وہ آزاد ہیں اور آزادی کے ساتھ اچھا کام کر سکتے ہیں۔
 نظر و جوہات بالا فقیر شاد یونیورسٹی کی علم دوستی اور
 نکتہ رسی سے متوقع ہے کہ حضرت نیاز کو جو ابھار بھوپال اسٹیٹ
 سے ملتی ہے وہ علمی و طیفہ کی صورت میں منتقل کر دی جائے
 ان کو آزادی دی جائے تو نوازش ہوگی۔ حضرت نیاز یور
 ہائیس کی اس جہرانی سے آزادی کے ساتھ اپنے ارادے میں
 کامیاب ہو جائیں گے اور فقیر شاد محنون۔

بھوپال

۱۰ جولائی

مطامنی الاعز

تسلیم۔

حضرت کی تحریر سفارش نہایت خوب ہے۔ لیکن اس کا
 وہیں سے ذریعہ رجسٹری معائنہ ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے۔
 اس لیے وائس بھیج کر مستدعی ہوں کہ غبار صاحب کو ہدایت فرما
 جائے کہ وہ دوسرے لفافہ میں بند گمر کے ذریعہ جوابی رجسٹری
 ہنزہ ہائیس کے نام روانہ کر دیں اور جو رسید یہاں سے پہنچے اسے
 میرے پاس بھیج دیں۔

حضرت کے اعلیٰ خسر واثہ کا منت پندیر

نیاز فتح پوری

۲۰ محرم ۱۳۵۴ھ ۳۵/۳/۳۵

نام مکتوب الیہ فیجہ صاحب رسالہ نگار
پتا بھوپال

از مقام پیشکاری پبلیس حیدر آباد دکن
تاریخ ۹ فروری ۱۳۲۲ھ ۵ مارچ ۱۳۲۵ھ ۲۰ اپریل ۱۹۲۴ء

بخدمت شریف جناب فیجہ صاحب رسالہ نگار
براہ کرم حسب ذیل کتابیں بنام نامی ہنر اکسلسی سربراہ
بہادر پٹن سلطنت بصیفہ وی پی بھیج کر ممنون فرمائیے۔
جہاں آنا تذکرہ حضرت بلھے شاہ نمکدان فصاحت

۸	۸	۸
سان الغیب ہر دو جلد	کاس الکرام	بندگی
ص	۷	۱۰

جواہر پریزے	نیشنگ اول و دوم	سیہ پریزے
۴	۲	۱۸

سید صادق حسین غبار

۱۰ جولائی

مکرمی - السلام علیکم

ہنر اکسلسی مہاراجہ بہادر بالقابہ کی سفارشی تحریر ہوئی

نواب صاحب بہادر بھوپال میں نے اس غرض کے ساتھ واپس کر دی تھی کہ براہ راست ہزار کسٹنس کی طرف سے ذریعہ رجسٹری نواب صاحب بہادر کے نام بھیج دی جائے۔ اس لیے میں اس عرضیہ کے ذریعہ سے جناب سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ تحریرہ کس تاریخ کو نواب صاحب کے نام رجسٹری کی گئی ہے اور اگر نہ کی گئی ہو تو میرے پاس رجسٹرڈ بھیج دی جائے۔ اب بعض صورتیں ایسی پیدا ہو گئی ہیں کہ میں خود بھی اُسے پیش کر سکتا ہوں۔

جناب کا امیدوار

نیاز فتح پوری

۲۴

مکرمی تسلیم۔
لغافہ مل گیا۔ شکریہ۔ نتیجہ سے اطلاع دل گا۔ حضور کی خدمت میں میرا آداب پہنچا دیں۔

خاکسار

نیاز فتح پوری

قصہ مارہرہ ضلع امید بہترین کاخ

مورخہ ۱۶ رذی الحجہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۸ جون ۱۹۲۴ء

عالی جاہ۔

تسلیم قدویانہ۔ خاکسار سید محمد اسحاق مارہرہ کی نمائندہ رسالہ نگار نے ایک کارخانہ آم کی چٹنی کا جو کہ علاوہ لذیذ و مفید

ہونے کے ماضی بھی ہے کھولا ہے۔ جیسا کہ برس سالہ لگاتار جھوٹا
 ماہ مارچ و اپریل، مئی نمبروں میں جناب والا کے نظر سے گزرا
 ہو گا۔ اور اپریل ۱۹۸۳ میں مولانا نیاز صاحب کی رائے بھی جو
 ملاحظات کے سلسلہ میں ہے ملاحظہ فرمائی ہوگی۔ خاکسار نے
 مولانا نیاز صاحب کی خدمت اقدس میں پیش کردہ یہ عرض کیا
 تھا کہ (شرط پسند) اس چٹنی کے متعلق اپنی زرین رائے
 نشر و نظم دونوں صورت میں نیز یہ کہ سالانہ اخبارات کا تھینہ
 فرما دیا جائے تو علاوہ عزت افزائی اس کارخانہ میں چار چاند
 لگ جائیں گے۔ میری عرض پر مولانا نے ایک خط جناب والا
 کے نام تحریر فرما دیا ہے جو ملفوف ہے۔

آخر میں مجھے امید ہے کہ جناب والا اس کو پسند فرما کر اپنی
 زرین رائے سے مطلع فرمائیں گے اور نیز یہ کہ سالانہ جس قدر
 بھی صرف ہو اس کے متعلق کارخانہ کو حکم دیا جائے کہ تعمیل
 کرے۔ یہ چٹنی جس کو جناب والا ملاحظہ فرمائیں گے شیریں
 ہے اور یہ وہ چٹنی ہے جس کی تعمیل کی جاتی ہے۔ اس لیے رائے
 کی ضرورت ہے۔ اخبارات وغیرہ میں شائع کر کے کارخانہ
 کی حوصلہ افزائی ہو۔ اگر جناب والا کو حیدر آبادی مذاق کی ترس
 چٹنی کی ضرورت ہوگی تو کارخانہ وہ بھی حاضر کر سکتا ہے اور ہر
 وقت و خلاف فصل اور چٹنی کے علاوہ قاش دار چٹنی بھی اس
 سال طیار کرائی ہے۔ اگر حکم دیا جائے تو اس کو بھی ملاحظہ کے

لیے بھی دیا جائے لیکن اشتہار کے لیے
صرف کچھ دار کھی گئی ہے۔ لکھنؤ ریویو میں قیمت ہے جو اس
چٹنی کو دیکھتے ہوئے کچھ بھی نہیں۔ پانڈا نے حد کسی قسم کا دھوکہ
نہیں۔ جیسا کہ عام رواج ہے دھوکہ دیا جاتا ہے۔ اس کا رخا
کو آپ کے غلام سید بادشاہ حسینی کے نام سے کھول دیا ہے۔
امید کہ جناب والا خاص توجہ فرما کر عزت افزائی فرمائیں گے۔
پارسل ریوے ایم۔ جی اسٹیشن سے فوراً طلب فرمالیا جائے۔
کہ دیر ہونے میں پارسل کھل جانے یا غائب ہونے کا اندیشہ ہے
فقط۔

تمنا کس

سید محمد اسحاق۔ نمائندہ نگار

مارہرہ ایٹھ

بھوپال۔

مطامعی الاعز۔ تسلیم۔

میرے ایک نہایت عزیز دوست نے مارہرہ میں چٹنی
کا کارخانہ قائم کیا ہے اور وہ متمنی ہیں کہ جناب کی لاسٹے حاصل
کریں۔ بدیہہ حقیر کی صورت میں وہ قہقہوری سی چٹنی صنعت کی
خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ خدا کرے کہ جناب اسے پسند
فرمائیں اور اپنی لاسٹے لکھ کر انھیں اور مجھے دونوں کو ممنون۔
خدا کرے بلکہ کی آب و ہوا جلد اعتدال پر آجائے تاکہ

میں حسرت یا بوس کو پورا کر سکیں۔

سنت پذیر

نیاز فتح پوری

۲۵
۸

طاعی الامراء والک الشد بالعز والاقبال۔

میرا معاملہ ہنوز بیم ورجا کی منزل میں ہے۔ تازہ انقلاب
یہاں یہ ہو کہ سر اسرار حسن خاں صاحب ممبر تعلیمات ہو گئے ہیں
اور چوں کہ شعبہ تصنیف و تالیف بھی تعلیمات میں شامل ہے اس
لیے اگر یہ چاہیں تو آسانی سے، میرا معاملہ طے ہو سکتا ہے۔ مجھے
معلوم ہوا ہے کہ حضرت کے مراسم سر اسرار حسن خاں صاحب
سے بہت وسیع ہیں۔ اس لیے اگر میرے متعلق جناب ان کو تحریر
فرمادیں تو کامیابی کی امید ہے۔

تحریر کا مضمون وہی ہونا چاہیے جو جناب نے ہنرمائیس
کے نام کی تحریر میں درج فرمایا تھا۔ لیکن اس تحریر میں آپ زیادہ
قوت و اصرار سے بھی کام لے سکتے ہیں۔

ان کے نام کی تحریر میرے پاس بھجوا دیجئے۔ میں خود اس
کے ذریعہ سے مل لوں گا۔ مجھے گھڑی گھڑی حضرت کو تکلیف
دیتے شرم آتی ہے لیکن کیا کروں۔

کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ

خاکسار
نیاز فتح پوری

اگر نامناسب نہ ہو تو ایک تحریر نواب زادہ سعید الظفر خاں
بہادر کے نام کی بھی بھیج دیجیے کہ وہ خود اس مسئلہ میں کوشش
کریں اور سر اسرار حسن خاں سے بھی کہہ دیں۔

مکھنوں۔ دفتر رسالہ نگار

۲۹ اپریل سنہ ۱۳۳۷

سرکارِ دہلی

میں یہاں پہنچ گیا لیکن اس حال میں کہ میرا ریشہ ریشہ سرکار
کے خسروانہ الطاف و کرم سے گرا نیا رہے اور میں حیران کہ اپنے
جذبات نیا۔ شس کا اظہار کن الفاظ میں کروں۔ حقیقت یہ ہے کہ
سرکارِ دہلی کی ذات اس وقت نہ صرف حیدر آباد بلکہ سرزمین ہند
میں ایک ایسی عجیب و غریب ذات ہے کہ اگر آج تمام لوگ
اس کے بلند اخلاق کو اپنے سامنے رکھیں تو دنیا پھر کھوئے ہوئے
امن و سکون کو واپس لا سکتی ہے۔ کسی شخص میں کوئی خوبی ہوتی
ہے کسی میں کوئی، لیکن اتنی صفات حسنہ کا اجتماع حقیقت یہ
ہے کہ فطرت کا اعجاز ہے۔ سچ ہے۔

یس عند اللہ بمستنکر

ان یجمع العالم فی شخص واحد

اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک ہی ذات میں سارے
عالم کی سلامتی پیدا کر سکتا ہے۔

نواب مہدی یار جنگ بہادر نے اپنے دفتر سے موازنہ
کی گنجائش دریافت کی۔ ممکن ہے کہ وہ عدم گنجائش کی
صورت میں سفارش نہ کریں اس لیے ضرورت
ہے کہ سرکار والا ان کو جلد ایک تحریر یا رسالہ فرمادیں کہ اگر
موازنہ میں گنجائش نہ ہو تو زائد موازنہ کی سفارش کر دیں۔
سرکار نے دستگیری فرمائی ہے تو اس کی تکمیل بھی سرکار
ہی کی مدد سے ہو سکتی ہے۔

میں اخیر جون میں کیا ہیں طیارہ کے سرکار کے حضور
میں حاضر ہوں گا۔

لکھنؤ کا جو تھا کو سرکار نے پسند فرمایا تھا اس کا پارسل
یہ ہوں انشاء اللہ روانہ کروں گا۔

امید ہے کہ سرکار معہ الاستکان دولت مع اخیر ہوں گے۔

خاکسار
نیاز فتح پوری

دفتر رسالہ نگار۔ لکھنؤ

۱۰ مئی ۱۹۰۴ء

سرکار والا

اس سے قبل ایک عریضہ حضور میں ذریعہ رجسٹری پیش کر چکا
ہوں۔ ملاحظہ اقدس سے گزارا ہو گا۔

اس عریضہ کے ساتھ ۱۰ سیر تما کو کی بلیٹی روانہ کرتا ہوں۔

یہ وہی تھا کہ ہے جو سرکار نے پسند فرمایا تھا۔ اور اب میں نے
 خاص اہتمام سے طیارہ کرایا ہے۔ میں علیل ہو گیا تھا اس لیے
 اس سے قبل نہ بھیج سکا۔ اس کی قیمت ادا کر دی گئی ہے محصول
 ریل بہ خیال تحفظ ادا نہیں کیا گیا۔ امید ہے کہ سرکار والا اس پر
 حقیر کو قبول فرما کر معزز فرمائیں گے۔

پریم درین کی تصاویر طیارہ ہو رہی ہیں انشاء اللہ اخیر جون
 میں نمود حاضر ہو کر پیش کر دیں گے۔

یقین ہے کہ سرکار والا نے نواب مہدی یار جنگ بہادر
 کو موعودہ خط بھیج دیا ہو گا اور بصورت عدم گنجائش موازنہ زائد
 از موازنہ سفارش کرنے کی تحریک فرمادی ہو۔ جو کام سرکار والا نے
 شروع فرمایا ہے وہ سرکار ہی کی مدد سے انجام تک پہنچ سکتا
 ہے۔ میرا کام تو بقول حافظ "دعا گفتی نست و بس" کے سوا اور
 کیا ہو سکتا ہے۔

۔ یہاں سے ایک رسالہ "اختلاف" ایک آنہ فنڈ سے نکلتا
 ہے۔ ایک آنہ فنڈ کی انجمن غریبہ کی تعلیم، بیماری وغیرہ کی امداد
 کرتی ہے۔ اس رسالہ کے ایڈیٹر متمنی ہیں کہ سرکار والا کی کوئی
 غزل شائع کرنے کی اجازت دے دیں گے اور کوئی تازہ غزل
 مرحمت فرمادیں گے تو اس انجمن کی عزت افزائی ہو جائے گی۔

سرکار کی جو شبیہ میں لایا تھا، اس کا ہلک سا کاپی ہے، وہی
 پریم درین میں دے دی جائے گی اور وہی رسالہ "اختلاف" میں لگا

امید ہے کہ بنگلور کی آب و ہوا سرکار والا کے لیے صحت بخش
 ثابت ہوئی ہوگی۔ ایام دولت و اقبال مستدام !
 خاکسار
 نیاز فتح پوری

دفتر نگار۔ لکھنؤ۔ ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء

سرکار والا۔

تمنا کو کی بلٹی غالباً پہنچ گئی ہوگی۔ اگر سرکار کو یہ تمنا کو پسند آیا ہو
 تو مطلع فرمایا جائے تاکہ اور بیج دوں اور اگر اس میں کوئی نقص رہ
 گیا ہے تو بھی ارشاد ہو کہ اس کو دور کرانے کی کوشش کروں۔
 آج کی ڈاک سے رسالہ نگار ماہ مئی ۱۹۳۷ء کا ذریعہ چھپڑی
 ارسال خدمت گرامی ہے۔ ملاحظات کے سلسلہ میں ایک
 اور مضمون میں جو سرزمینِ دکن کی ایک دل نواز شام کے عنوان سے
 شائع ہوا ہے، کچھ بے اختیارانہ کلمات سرکار کے متعلق لکھی گئے
 ہیں۔ اگر فرصت ہو تو سرکار ملاحظہ فرمائیں۔

سرکار کی تعظیم اور روپا کی جو تین رنگ میں تیار کی گئی ہے
 بننے کے لیے کلکتہ روانہ کر دی گئی ہیں۔

امید ہے کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔

خاکسار

نیاز فتح پوری

گمراہ پارک
بنگلور

۲۶ مئی سنہ ۱۹۳۳ء

مہربان شاد

آپ کا خط وصول ہو کر باعث مسرت ہوا۔ تم کو بھی پہنچی۔
میری رائے ہے کہ اس کو صرف تم کو ہی کہنا مناسب ہوگا۔
کیوں کہ اس میں غمیرہ کا بالکل مرزہ نہیں ہے۔

رسالہ نگار یا بہ ماہ مئی سنہ ۱۹۳۳ء جو بذریعہ رجسٹری ارسال
کیا گیا تھا مجھے کنور میں وصول ہوا۔ سرزمینِ دکن کی ایک دل نواز
شام کا آپ نے ایسا سراپا تحریر کیا ہے کہ اعلیٰ تصویر کی جگہ
قلبی تصویر پیدا کر دی ہے۔

میرے متعلق جو کچھ بھی آپ نے تحریر کیا ہے وہ غالباً اسی
خصوص کا نتیجہ ہے جو آپ کو میرے ساتھ ہے ورنہ "من آثم کہ من
دائم۔ امید کہ آپ اپنا خیت بھول گئے۔

فقیر

دفتر نگار۔ لکھنؤ

۵ جون سنہ ۱۹۳۳ء

سرکارِ والا

میں تو اپنے عمر لکھنؤ کے حجاب کی طرف سے مایوس ہو چکا

تواریکھیں ۲۶ مئی کے نامہ عطوفت نے بقول شیخ "گرتا ہوا لکھ
ختم لیا۔"

سرکار کے الطاف عظیم نے اس قدر گستاخ بنا دیا ہے کہ
لکھنے لگا ہے عزرائیل پیش کرنے کی جرات ہو جاتی ہے "ورنہ ظاہر
ہے کہ میں کیا اور میرے مکتوب کیا۔"

سرکار نے "سیرت میں دکن کی دلی نواز شام" کو پسند فرمایا۔
اس سے نہ زیادہ محظوظ اور کیا مل سکتا ہے۔ خدا سرکار کو اس وقت
لکھ جائے قائم رکھے جب تک فطرت کو دنیا میں دور غلوں و انسانیت
کی یادگار باقی رکھنا ہے۔

بیم درپن کا بڑا کام ختم ہو چکا۔ یعنی بلا کہ تصاویر کے طیار
ہو چکے۔ کتابت ہو رہی ہے۔ کوشش کر رہا ہوں کہ جلد از جلد
اس کو سہ کر بارگاہ گرامی میں حاضر ہوں۔

غالباً سرکار والا حیدر آباد واپس تشریف لے آئے ہوں گے
مکمل و معروضات کے دامن دولت صحت و عافیت کے ساتھ
ہوں گے۔

میں سنہ ایک اور جگہ نہایت ہی اہتمام کے ساتھ تاکو طیار
کرنے کا انتظام کیا ہے۔ انشا اللہ اپنے ساتھ لاؤں گا۔ خدا کرے
سرکار کو پسند آجائے۔

اگر دست اور ہو "جلوہ کش" کی طباعت کا بھی اہتمام

اسی پیمانہ پر شروع کر دیا جائے۔

خاکسار
تیار فتح پوری

محضورِ اقدس سرِ مہاراجہ یحییٰ (السلطنت علیہ السلام دکن
بالتقابہ دام اقبالہ

میر ساند

بعض عرض

اسے دامنِ توقیرِ مہشتِ غبار میں

راتِ آخرِ وقت تازک ہے ریاضِ لوگنی ہے شمعِ کی اللہ سے
محضورِ والا

بہ اعتبارِ عمر میر سے خدا رسیدہ ہونے میں شک نہیں۔ میں جہاں
تھا جب بھی لوگ کہتے تھے،

دیکھ کر کہتے ہو کیا تم صورتِ پاکِ ریاض

یہ نہیں پہنچے ہوئے اللہ والے لوگ ہیں

یہ فرض اس میں ریاض کی ریا کو بھی دخل ہو مگر بیٹہِ حلیے کے اس
تازکِ وقت میں ہر شخص چاہتا ہے کہ ایسی مسلمہ برگزیدہ ہستی
سے جس کے ساتھ نسبتِ قرب حاصل ہو چکی ہو اور دور کی نسبت
نہرِ وقت حاصل ہو تا امکانِ وہ نسبتِ قریب کے حصول کی تجدید
کیوں نہ کرے۔

میں اس موقع پر یکمال ادب بلاگردان ہو کر کیوں نہ اس
امر کی استفسار کی تکلیف دوں۔ صبح کے پیرائے میں کس نے
اپنے نمک پروردہ کو یہ اختصاص یہ دعا دی تھی۔

شاد صاحب کی دلعلم ہر دم

سرسبز ریاض احمد

اس دعا نے شرف اجابت نہ پایا ہوتا تو مجھے اتنی عمارت عمر بہ گزرتی
حاصل ہوتی۔ ریاض احمد قیامت تک سرسبز رہے گا۔ مگر
نسبتاً اس دلعلم جو سرسبزی مجھے اب تک حاصل ہوتی
بہی کیا کم ہے۔ ہر طرح پھولا پھلا۔ یہاں تک کہ آخر عمر میں
خدا نے سات بچے دیے جن میں پچھلے دونوں بھائی بہن تو ام۔

اللہ دعا دینے والی مقدس ہستی کو مجھ پر اور میرے ان بچوں
کے سر پر جو برٹھاپے کی اولاد عزیز ہیں اور اپنی پیور شس
وپر راحت کے لیے محض بے دریغ ہیں) سایہ گستر رکھے۔ آمین
آمین ہزار بار آمین۔

ایسے ظل اللہ کے حضور میں وقت آخر نسبت قرب کی

تجدید کے لیے کیوں نہ حاضر ہوں۔

اس تمنائیں نیاز فتح پوری سے یہ سن کر اور بھی ہجیان پیدا
ہو گیا کہ سرکارِ دولت مدارِ مہاراجہ بہادر میرا ذکر فرماتے تھے:
ہم اس کے ہیں ہمارا یو چھٹا کیا

ان الفاظ سے طلبِ اجازت مقصود نہیں۔ نہ مجھ سے وابستہ

دامن کو اس کی ضرورت اور ہو بھی تو میں اس کا اہل نہیں۔ خدا تعالیٰ
کا بھلا کرے۔ ہر وقت باریاب ہو کر کہہ سکتا ہوں:

اے دامن تو قبلہ و مشیتِ خبار میں

میں یقیناً انشاء اللہ تعالیٰ نیازِ فتحپوری کے ساتھ ہی اگست
کی کسی تاریخ میں شرفِ حضوری حاصل کروں گا

دولت و اقبال مستدام

نیاز

نمک پروردہ حضور مدارِ المہام

۳۰ اگست ۱۳۳۹ھ

۱۰ دام اقبالہ

۱۲ آبان ۱۳۳۹ھ ۲۳ ربیع الاخر ۱۳۳۸ھ ۷ اربیع الثانی ۱۳۳۹ھ

مخوڑ بانہ معروضہ

نیاز صاحبِ فتحپوری کے پاس سے (۲۳۳) جلدیں پریم
درپن کی ذریعہ ریلواری پارسل نامی اسٹیشن آگئی ہیں جس کی ریلواری
رسید نمبر 077069 رقی للہ علیہ سکہ کلدار جس کے حالی تقریباً
۱۱۰ ہوتے ہیں بغرض ملاحظہ عالی منسلک ہے۔ نیاز صاحب
فتحپوری کا خط بھی اس کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے جس میں
لکھا ہے کہ اس سے قبل (۵۰) جلدیں پریم درپن کی بھیج دی
جا چکی ہیں اور اب سترہ جلدیں ان کے پاس ہیں جو آتے وقت
ساتھ خود لائیں گے۔

برائے مالکداشت پارسل اصل رقم $\frac{19}{100}$ اور کمرایہ وغیرہ کے
لیے علی الحساب مبلغ سے ایسے جملہ مبلغ $\frac{19}{100}$ سکہ عثمانیہ
سرفراز فرمائے جائیں تو مناسب ہے۔ زیادہ عداوت
معروضہ قدرتی

The Nigar

Lucknow.

۳ ستمبر ۱۲۸۷ھ

کرمی سید صاحب -

تسلیم۔ بہت نادام ہوئی کہ پریم درپن کی دعا لگی میں غیر معیونی
تعویق ہوئی۔ سبب یہ تھا کہ جن دفتر کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا وہ سیاسی
جھگڑے میں قید ہو گیا۔ آج کل یہاں کی سیاسی حالت بہت خراب

ہے۔ اور تمام کاروبار بند ہیں۔ ۲۳۳ جلدیں ارسال ہیں۔ ۵۰
پہلے پیش کر چکا ہوں سترہ کتابیں میرے پاس باقی ہیں جنہیں
اپنے ساتھ لیتا آؤں گا۔ سرکاری حضور میں یہ عرضہ پیش کر کے تاخیر
پر اظہارِ معذرت کر دیجئے۔ ممنون ہوں گا۔

خاک

نیاز فتح پوری